بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخالفینِ قیامِ پاکستان
"علماء ولیاڈر" کی ہندو انگریز دوستی کی
ایک اہم تاریخی دستاویز

مسمّٰی بہ

مخالفینِ پاکستان کا کردار

مؤلفہ

جناب میاں
محمد صادق قصوری صاحب
مصنف "اکابر تحریک پاکستان"

ناشر: ادارہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالسلام گوجرانوالہ
Sahibzada Muhammad Dawood Razvi
E-mail:razaemustafa13@yahoo.com 055-4217986

مخالفینِ قیامِ پاکستان
"علماء ولیڈر" کی ہندو انگریز دوستی کی
ایک اہم تاریخی دستاویز

مسمّٰی بہ

مخالفینِ پاکستان کا کردار

مؤلفہ

محمد صادق قصوری صاحب

ناشر: ادارہ رضائے مصطفےٰ چوک دار السلام گوجرانوالہ
Sahibzada Muhammad Dawood Razvi
E-mail:razaemustafa13@yahoo.com 055-4217986

نام کتاب: .... مخالفینِ پاکستان کا کردار

مصنف: .... میاں محمد صادق قصوری

پروف ریڈنگ: .... رانا محمد نعیم اللہ خاں قادری، ایم اے، اردو، تاریخ، پنجابی

ناشر: .... ادارہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ

صفحات: 128

ہدیہ: .... -/120

ملنے کے پتے:

☆ کتب خانہ امام احمد رضا، دربار مارکیٹ لاہور۔

0321-4716086...0313-8222336

☆ مکتبہ قادریہ، نزد میلاد چوک سرکلر روڈ گوجرانوالہ

☆ قادری رضوی کتب خانہ داتا دربار مارکیٹ لاہور

☆ مکتبہ غوثیہ امام احمد رضا خان روڈ نارووال

☆ مکتبہ مہریہ رضویہ نزد جامع مسجد نور کالج روڈ، ڈسکہ

☆ مکتبہ برکات المدینہ بہادر آباد کراچی

آئینہ......عنوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارشِ احوال واقعی

مخالفین اہل سنت و منکرینِ شانِ رسالت نجدی دیوبندی وہابی ٹولہ نہ صرف اپنی بدعقیدگی کی بنا پر گمراہ و راندۂ درگاہ ہے بلکہ سیاسی طور پر بھی اِن کی سوچ ہمیشہ غلط اور سوادِ اعظم و ملتِ اسلامیہ کے برعکس رہی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے شروع سے اعتقادی و عملی اور سیاسی طور پر ملتِ اسلامیہ کے مقابلہ میں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی، اپنی حقیر سی اقلیت کو صحیح قرار دیا اور مسلمانوں کی اکثریت کو نہ صرف غلط سمجھا بلکہ نہایت بے دردی سے مسلمانوں کو مشرک و بدعتی اور جہنمی قرار دیا۔ بلکہ مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر ان سے نفرت دلانے والے اِس ٹولہ نے عملاً ہندوؤں مشرکوں اور انگریزوں عیسائیوں سے وابستگی اختیار کی اور اُن کے آلۂ کار بن کر اُن کی ''قیادت و امامت'' میں اِسلام و اہلِ اِسلام کے مفاد کے خلاف کام کیا۔ مگر کذب بیانی اور بددیانتی کا یہ حال ہے کہ اپنے اس مکروہ تاریخی و سیاسی کردار کے باوجود یہ ٹولہ اُلٹا علماء و مشائخ اہلِ سُنت کو مطعون کرتا اور اپنے مکروہ ماضی کو چھپانے کے لیے ان پر الزام تراشی کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

الحمد للہ: کتاب ہذا ''مخالفینِ پاکستان کا کردار'' کے مؤلف و مؤرخ اہلِ سنت جناب محمد صادق قصوری نے اس تاریخی دستاویز میں ناقابلِ تردید تاریخی شواہد و تحقیقی حوالہ جات سے مذہبی بہروپیوں پر حُجت تمام کردی ہے۔ (ناشر)

اقتباسات

تضمین بر اشعارِ حضرتِ علامہ اقبال

یہ شانِ دیں ہے باطل کی پیروی کرنا
حرم سے اُڑ کے درِ بت کدہ پہ جا مرنا
روائے علم کو گاندھی کے پاؤں پر دھرنا
عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بُو العجبی است
بھلا کے مصلحتِ دیں اور بھلا کے عہدِ الست
بُتانِ دیر کے غمزوں پہ ہو گیا بدمست
وہ قوم کونسی ہے جس کا ہے یہ "قوم پرست"
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است۔
چہ بے خبرز مقام محمد ﷺ عربی است

(راجہ حسن اختر مرحوم، سابق صدر مغربی پاکستان مسلم لیگ)

نظام شمس و قمر از محمد عربی است
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

(شورش)

حسین احمد "مدنی" اور ابوالکلام آزاد

ہاں حسین احمد ہی شیخ الہند تھا کل تک ضرور
آج ہے لیکن "مقامِ مصطفیٰ" سے بے خبر
مسجد نبوی میں جو کل تک رہا گرمِ سجود
واردھا کے آشرم میں جھک گیا آج اُسکا سر
کل تک جس نے پلائے قوم کو زم زم کے جام
تشنہ لب ہے آج خود گنگا پہ وہ عالی گہر
کل تک جس کی جلالت تھی حرم کی پاسباں
آج ہے "وہ کانگرس ورکنگ کمیٹی" کی سپر
کل تک سرگرمیاں جسکی تھیں ملت کیلیے
آج ہے اُسکو مسلمانوں کی محفل سے حذر
کل تک تھا جو اسیرانِ کراچی میں سے ایک
آج ملت کے مقاصد پر نہیں اُس کی نظر
دیکھ کیا حالت ہے اب کشمیر میں آزاد کی
کٹ کے مِلت کے شجر سے اُسنے پایا کیا ثمر
قوم کے جوش غضب سے ڈر کے ہے رُوپوش آج
جو کبھی اس ملک میں تھا قوم کا نورِ نظر
جس کے علم و آگہی پر تھا کبھی ملت کو ناز
نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاکِ کاشغر
شخصیت کی ملت بیضا کو ہے پرواہ کہاں
ہے وہی آزاد لیکن اب ہمارا ہے کہاں

(خان اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی، اگست ۱۹۴۵ء)

ہوا ہے مولویوں کو یہ کیا میرے مَولا
لگا رہے ہیں جو وہ مالوی کو سینے سے
یہ مولوی مدنی سے کوئی ذرا پوچھے
مدن سے آپکو نسبت ہے یا مدینے سے؟

(حضرت اسد ملتانی)

سے انحراف کر کے سیکولر تصور کو مسلمانانِ برصغیر پر تھوپنا چاہا تو انہوں نے اس کو رد کر دیا۔ اور ایک ایسے ہی مسلمان سے نہ رہا گیا اور کہہ اُٹھا:

جو تھا امامُ الہند کل آج امامُ الہندو ہے

کل تھا اک آزاد مسلمان آج غلام الہندو ہے

(روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۱ دسمبر ۱۹۸۴ء)

اندرا گاندھی اور علمائے دیوبند

۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو اندرا گاندھی پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ واصل بہ جہنم ہو گئی۔ اس پر پاکستان کے دیوبندی مولوی صاحبان کو بہت صدمہ ہوا۔ چنانچہ نظام العلماء پاکستان (جمعیت علماء اسلام عبید اللہ انور گروپ) کے مرکزی رہنماؤں مولانا زاہد الراشدی، مولانا محمد شریف وٹو اور مولانا بشیر احمد شاہ نے یوں اظہار رنج و غم کیا:

"مسز اندرا گاندھی کے خاندان نے برصغیر کی آزادی میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ ان کے دادا پنڈت موتی لعل نہرو اور باپ جواہر لال نہرو نے تحریک آزادی کے مسلم قائدین سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل شہید کی فکر اور شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا احمد سعید دہلوی کے ساتھ مِل کر غیر ملکی حکمرانوں کو ہندوستان سے نکالنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اندرا گاندھی نے اپنے اقتدار میں جمعیت علمائے ہند اور دار العلوم دیوبند کی قومی خدمات کا ہمیشہ اعتراف کیا اور جشن دیوبند میں اکابر دیوبند سے خاندانی تعلقات کا برملا اظہار کیا۔ اس لیے پاکستان میں موجود ان علمائے حق کے جانشین اندرا کی موت کو امن کے لیے خطرناک تصور کرتے ہیں۔"

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور یکم نومبر ۱۹۸۴ء، بروز جمعرات)

علامہ اقبال اور مولوی مودودی

"آج کل صالحین یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ حضرت علامہ نے مولانا موصوف کو حیدر آباد دکن سے پنجاب (پٹھانکوٹ) آجانے کی دعوت دی تھی، اس کی تصدیق کے لیے دونوں شخصیات موجود نہیں ہیں اور نہ ہی دونوں جانب سے اس ضمن میں کوئی تحریری سند منظرِ عام پر آئی ہے۔ اگر قیام پاکستان کے پس منظر میں اس دعویٰ کا تجزیہ کیا جائے تو مولانا موصوف کے قیام پاکستان اور تصور پاکستان کے ضمن میں اقدامات ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ کیا حضرت علامہ نے اپنے تصور "اسلامی مملکت" کی مخالفانہ تشہیر کے لیے مولانا کو پنجاب آنے کی مبینہ دعوت دی تھی؟ کیا علامہ جیسے عظیم مفکر سے یہ توقع کی جا سکتی ہے......؟

شد پریشاں خوابِ من از کثرت تعبیر ہا!

(ولی مظہر ایڈووکیٹ، "عظیم قائد عظیم تحریک" مطبوعہ: ملتان، ۱۹۸۳ء، ص: ۲۲۵)

لاتعلقی:

"اس نام نہاد حکومت (پاکستان) کے انتظار میں اپنا وقت یا اس کے قیام کی کوشش میں اپنی قوت ضائع کرنے کی حماقت آخر ہم کیوں کریں؟ جس کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ ہمارے مقصد کے لیے نہ صرف غیر مفید ہوگی بلکہ کچھ زیادہ ہی سدِّ راہ ثابت ہوگی۔" (سیاسی کشمکش، حصہ: سوم، از: مودودی، ص: ۱۷۰)

عالمانِ دیں:

رسول اللہ کے گھر میں یہ کیسا انقلاب آیا
کہ گاندھی جی کی کٹیا "عالمانِ دیں" کا ڈیرا ہے
خدا ہی جانتا ہے حشر اس ٹولی کا کیا ہوگا
حرم سے جس کی بدبختی نے رُخِ ملت کا پھیرا ہے

(مولانا ظفر علی خان)

مودودی اور تحریکِ پاکستان

""۱۹۴۶ء میں مَیں اور راجہ غضنفر علی خاں، قائد اعظم کا پیغام لے کر مولانا مودودی کے پاس گئے اور کہا کہ آپ پاکستان کے لیے دُعا کریں تو مولانا نے کہا! آپ میرے پاس ""ناپاکستان"" کے لیے دُعا کروانے آئے ہیں۔""

اگر کسی کو میری باتوں سے اختلاف ہے تو عدالت میں اس معاملے کو لے کر جائے میں ان سب باتوں کو ثابت کروں گا۔

(روزنامہ ""جنگ"" لاہور، ۱۶ دسمبر ۱۹۸۴ء۔ سردار شوکت حیات خان)

مودودی فتویٰ:

""خواہ اَن پڑھ عوام ہوں یا دستار بند علماء یا خرقہ پوش مشائخ یا کالجوں یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات...... اِسلام کی روح سے ناوقف ہونے میں یہ سب یکساں ہیں۔"" (تفہیمات، ص:۳۸)

""یہ انبوہِ عظیم (حامیانِ پاکستان) جس کو مسلمان کہا جاتا ہے، اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں، نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔"" (سیاسی کشمکش، حصہ: سوم، ص:۱۳۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارش

اللہ تعالیٰ نے اضداد کو اس لیے پیدا فرمایا، تاکہ نیکی اور حق وصداقت کا علم بلند ہو۔ مثلاً تاریکی سے روشنی، قابیل سے ہابیل، نمرود سے ابراہیم، فرعون سے موسیٰ، ابوجہل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، یزید سے امام حسین، اکبر سے حضرت مجدد الف ثانی اور کانگریسی مولویوں سے مسلم لیگ کی شان بلند ہوئی۔

معلوم ہوا کہ اگر نیکی اور بدی کی آپس میں ٹکر نہ ہو تو نیکی بلند و بالا نہیں ہوتی۔ بدی شروع ہی سے حق وانصاف کی آواز کو دبانے کے لیے کمر بستہ ہے اور نیکی سینہ تان کر ہر سود وزیاں کو بالائے طاق رکھ کر یہ پکارتی رہی ہے:

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

اس کتاب میں تذکرہ ہے اس بدی کا جو تحریک پاکستان کے دور میں کئی روپوں، مثلاً یونینسٹ پارٹی، جمعیت العلمائے ہند، مجلس احرار، خاکسار تحریک، جماعت اسلامی وغیرہ میں نیکی یعنی قیامِ پاکستان سے برسرپیکار رہی۔ کانگریس کی گود میں بیٹھ کر ہندو کے اشارے پر اسلامیانِ برصغیر پر طرح طرح کے تیر برساتی رہی، اکھنڈ بھارت کے لیے سعی نامشکور کرتی رہی۔ اسلام کو نیست ونابود کرنے کے لیے عبد اللہ بن ابی، ابن علقمی، میر جعفر، میر صادق، علی نقی اور مرزا الٰہی بخش کا کردار ادا کرتی رہی۔ مسلمانوں کو ہندو کی اَبدی غلامی میں دینے کے لیے اپنا سارا زور صرف کرتی رہی مگر نیکی نے پاکستان کا روپ دھار کر بدی کے سب منصوبے ملیامیٹ کر دیئے۔

آج بدی کے پیروکار تحریک پاکستان کی مخالفت کی طرح طرح سے تاویلیں کر رہے ہیں۔ نئی نسل کے اذہان کو نظریہ پاکستان سے برگشتہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ ان کے شب وروز اس مذموم کوشش میں گزر رہے ہیں کہ

پاکستان کے وجود کو ختم کر کے یہاں قال اللہ اور قال الرسول کے بجائے جے ہند کے نغمے الاپیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ بدی کے مختلف کرداروں کو بے نقاب کیا جائے، تاکہ نژادِ نو عبرت حاصل کر کے وطن عزیز پاکستان کی تعمیر و ترقی کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دے اور بدی کو ختم کرنے کے لیے اپنی تمام تر مساعی صرف کر دے۔

ممکن ہے قارئین یہ اعتراض اٹھائیں کہ بدی کے کردار تو بے شمار تھے لیکن یہاں تو صرف چند ایک کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ اگر تمام کرداروں کا فرداً فرداً ذکر کیا جاتا تو کتاب کئی جلدوں میں پھیل جاتی، جسکی طباعت مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتی، اس لیے چیدہ چیدہ لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ باقی لوگ خود بخود ان کے ساتھ شامل سمجھے جائیں گے۔ مثلاً جمعیت علماء ہند کے حسین احمد مدنی کے حالات شامل کیے گئے ہیں، ان کے پیروکاروں مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مفتی محمود، احمد علی لاہوری وغیرہ کے بھی یہی نظریات تھے، لہٰذا علیحدہ شامل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مجلس احرار کے دو سرکردہ لیڈروں عطاء اللہ شاہ بخاری اور حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی پاکستان دشمنی کی داستان بیان کر دی گئی ہے، لہٰذا غلام غوث ہزاروی، مظہر علی اظہر، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، نواب زادہ نصر اللہ خاں، شورش کاشمیری، چوہدری افضل حق، قاضی احسان احمد شجاع آبادی وغیرہ کے ذکر کی کیا ضرورت، کیونکہ یہ سب کے سب اپنے اکابر کے نقوشِ پا کو ہی چومتے تھے۔

خاکسار تحریک سے صرف مشرقی ہی قابل ذکر تھے، جماعت اسلامی کے امیر مودودی کا تذکرہ شامل کتاب ہے، اُن کے متبعین میاں طفیل محمد، نصر اللہ خاں عزیز، امین احسن اصلاحی وغیرہ کا ذکر بے مقصد تھا۔ ابوالکلام آزاد کے پیروکاران کو امام الہند کہتے ہیں۔ لہٰذا یہاں امام کے کردار کو آئینہ نظر کیا ہے، مقتدیوں کا حال اسی میں دیکھ جاسکتا ہے۔

مؤلف: ۷ دسمبر ۱۹۸۴ء جمعۃ المبارک، ۷ بجے شب

ابوالکلام آزاد

ابوالکلام آزاد ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے، اور ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو دہلی میں انتقال کیا۔ مسلمانوں سے زیادہ صدر ہندوستان بابو راجندر پرشاد، نائب صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن، پنڈت جواہر لال نہرو و دیگر ہندو غمزدہ ہوئے۔ روئے اور خوب روئے ۔ پنڈت نپت نے درد سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "مولانا ایسے لوگ پھر کبھی پیدا نہ ہوں گے اور ہم تو کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔" بقول شورش کاشمیری "راجندر بابو نے آنسوؤں کی سیل میں بھگو کر پھول نچھاور کیے۔ پنڈت نہرو نے گلاب چھڑکا تو بے اختیار ہو گئے ۔ لوگوں نے سہارا دیا اور جب مٹی دینی لگے تو بلک بلک کر رو رہے تھے۔ راجندر بابو دمہ کے مریض ہونے کے باوجود صبح ہی سے تصویر یاس بنے کھڑے تھے۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے کہ آج ۳۸ سال کی دوستی اور رفاقت کا انت ہو گیا۔"

(بیس بڑے مسلمان، از: عبدالرشید ارشد، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص: ۷۶۱، ۷۷۶، ۷۷۷)

ہندوؤں کو اتنا غمزدہ ہونا ہی چاہیے تھا کیونکہ ابوالکلام آزاد نے ہمیشہ اسلام دوستی کے بجائے ہندو دوستی کا دم بھرا، مسلم لیگ کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا کر کانگریس کی حمایت میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے، ہندوؤں کی مالی امداد سے تحریک پاکستان کی اپنی ہمت سے بڑھ کر مخالفت کی اور مسلمانوں کو ہمیشہ غیر مشروط طور پر کانگریس میں شرکت کی دعوت دی۔ (۱) اپنی کتاب "مسلمان اور کانگریس" میں کانگریس کے گیت گائے اور مسلم لیگ کو نشانہ تضحیک و توہین بنایا۔ (۲)

(۱-۲) (مسلمان اور کانگریس، از: ابوالکلام آزاد، مطبوعہ: آزاد بک ڈپو لاہور۔ اقبال کے آخری دو سال، از: عاشق حسین بٹالوی، مطبوعہ: لاہور، ۱۹۷۸ء، ص: ۲۹۔ مشاہیر جنگ آزادی، از: مفتی انتظام اللہ شہابی، کراچی ۱۹۵۷ء، ص: ۳۴۱)

مسلم لیگ، قائد اعظم اور تحریک پاکستان کی مخالفت ابوالکلام کی رگ رگ

میں رچی ہوئی تھی ۔ کانگریس کی حمایت ان کی زندگی کا مقصدِ وحید تھا۔ مسلم لیگ کی مخالفت اُن کے لیے توشۂ آخرت تھا۔ ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنا ان کا وظیفۂ حیات تھا انہوں نے پاکستان کی مخالفت میں تمام عمر وفاداری بشرطِ اُستواری سے کام لیا۔ کانگریس کے صدر کی حیثیت سے مسلم دشمن کارناموں کی وجہ سے قائداعظم سے ''شو بوائے'' کا خطاب پایا، جسے تاریخ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی سینے میں محفوظ کر لیا۔ انہوں نے پاکستان کے خلاف زہر اُگلتے ہوئے فرمایا:

''میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ ''پاکستان'' کا لفظ ہی میری طبیعت قبول نہیں کرتی، اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا ایک حصہ تو پاک ہے اور باقی ناپاک .. .علاوہ ازیں مَیں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کی اسکیم شکست خوردگی کی ایک واضح علامت ہے، اس کی تعمیر جس بنیاد پر رکھی گئی ہے وہ ہے یہودیوں کے قومی وطن کی مثال''۔

(تاریخ نظریہ پاکستان، از: پیام شاہجہانپوری لاہور، ۱۹۷۰ء، ص:۳۵۱ ۔آزادیٔ ہند مترجم رئیس احمد جعفری، لاہور ۱۹۷۳ء، ص:۱۲۷)

انگریز نوازی:

ناظرینِ کرام! اس ارشاد گرامی پر پوری توجہ سے غور و فکر فرمائیں اور ان کی مسلم دشمنی اور ہندو نوازی کی دل کھول کر داد دیں۔ معلوم نہیں کہ اس ایک بیان کے بدلے ٹاٹا اور برلا کے کارخانوں سے کتنی سنہری گولیاں ملی ہوں گی۔ مولانا کو حکام پرستی اور ہندو نوازی کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ پہلے وہ انگریزی حکومت کی مدح و ستائش کر کے مال کماتے رہے، پھر کانگرس کی گود میں بیٹھ کر دولت کی ریل پیل کے مزے لوٹتے رہے۔ ۱۹۰۲ء میں جشن تاجپوشی شاہ برطانیہ کے موقع پر مولانا نے فارسی زبان میں ایک طویل قصیدہ لکھ کر برطانیہ کی نمک خواری کا پورا پورا ثبوت فراہم کیا۔
بخوف طوالت ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے اس قصیدے کا صرف آخری حصہ نقل کیا جاتا ہے

ایوان فلک چه زرنگار است / در بزم فلک چه ایں بہار است
زد نعرۂ مست بادہ نوشاں / شوریست بکوئے مے فروشاں
عیش است براہ سر نہادہ / آغوش طلب رہے کشادہ
ہر شاہد حسن جلوہ آرا / ہر شوق طرب بدست آرا
در گوش دلم عجب صدائے / مستم چو رباب زیں نوائے
جشنیست کہ جشن شادمانی / خوش راحت و عیش زندگانی
شد تخت نشین بہ تخت انگلینڈ / خوش بخت شد است بخت انگلینڈ
یعنی ایڈروڈ شاہِ جمجاہ / شد تخت نشین بہ عزّت وجاہ
شایست چہ شاہِ مہربانی / در کشور علم حکمرانی
اقبال زپائے او مقیم است / از رشک دل شہاں دو نیم است
محسود کہ شغل او شب و روز / فریاد وفغاں و آہ دل سوز
دولت چو غلام خانہ زادش / صولت زصدائے او بپایش
آہوئے کرم بہ او رسیدہ / شہباز ہم باد بریدہ
اطرافِ زمین تہ نگینش / شوکت بہ جہاں شدہ مکینش
صد گنج مراد زیر پائش / صد راہِ نشاط سوئے جالیش
افراختہ رایت سیاست / ممتاز بہ حشمت و فراست
اے غازۂ حسن کاکِ راہش / خورشید ستارۂ کلاہش
فرخندہ بچشم دل نگاہش / مارا ز جہاں سزد پناہش

گریز بدعا

سر خوش ز شرابِ مدح بودم غوطہ زنِ آبِ مدح بودم
کا مد ناگہ صدائے دلبر ہش دار مقام خویش بنگر
تو لائق مدح نیست آزاد بس کن بس کن دُعائے دِلشاد
رستم بدعا کنوں بر آرم کہ اے ربّ قدیر کرد گارم
باشد بہ ادب قیامِ شاہی باصولت و رُعبِ عزوجاہی

قطعہ تاریخ

ہوئی لندن میں از فضلِ الٰہی نہایت شان سے جب تاج پوشی
کہا آزاد نے بڑھ کر ادب سے مبارک شاہ کو اب تاج پوشی
(۱۳۲۰ھ)

۲۵ جون ۱۹۰۲ء بروز جمعرات کلکتہ میں جشن تاجپوشی کے سلسلہ میں ایک مشاعرہ ہوا، جس میں آزاد نے بڑھ چڑھ کر شرکت کی اور حاضرینِ مشاعرہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "ابتدائے عالم سے آج تک تمام بادشاہانِ وقت میں اس کی نظیر نہ ملے گی کہ باوجود اختلافِ قومیت اور اختلافِ وطنیت کے اس آزادی کے ساتھ سلطنت کی ہو۔ یہ اس گورنمنٹ کی خاص آزادی اور اہل ہند کی جانب توجہ ہے"۔

(نوادر ابوالکلام، از: عبدالغفار شکیل، مطبوعہ: علی گڑھ ۱۹۶۲ء، ص: ۲۱ تا ۲۵، ۴۱۔ ارمغانِ آزاد، ج: اول، از: ابوسلمان شاہجہانپوری، مطبوعہ: کراچی ۱۹۷۸ء، ص: ۷۳ تا ۷۵، ۱۹۷)

ہندو مذہب:

لگے ہاتھوں ہندو مذہب سے ان کی عقیدت و محبت بھی ملاحظہ فرمائیے:

ارشاد ہوتا ہے:

"جہاں تک میرا مطالعہ ہے دنیا کے تمام مذاہب میں نظریہ توحید کو جس مذہب نے سب سے زیادہ قریب سے دیکھا ہے وہ ہندو مذہب ہے، میرے پاس اس کے بہت سے تاریخی شواہد و نظائر موجود ہیں۔"

(نوادر ابوالکلام، ص:۱۸۹)

آزاد کی ہندو مذہب سے اس شیفتگی اور والہانہ لگاؤ کی وجہ سے ہی غالباً کسی نے "امام الہنود" کا خطاب مرحمت فرمایا تھا، جس کے وہ ہر لحاظ سے حقدار اور اہل تھے۔

یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے

بات رہی تھی آزاد کی پاکستان دشمنی کی مگر ہم کہاں سے کہاں جا پہنچے، لیجئے اب پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور "حضرت مولانا" کی اسلام دشمن کارروائیوں سے آپ کو آگاہ کرتے ہیں۔

کانگرس کے صدر منتخب ہونے کے بعد آزاد نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"جناح کا یہ نظریہ کہ ہندوستان میں (ہندو اور مسلمان) دو جداگانہ اقوام ہیں غلط فہمی پر مبنی ہے، میں اس بات میں اُن سے متفق نہیں ہوں"۔

(اسٹیٹسمین: ۴۰-۲-۱۹۔ تحریکِ پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص:۲۱۳)

آزاد مسلم لیگ سے اس قدر بغض و عناد رکھتے تھے کہ انہوں نے ایک دفعہ خواجہ حسن نظامی کو ایک پرچہ پر لکھ دیا تھا:

"سب باتیں منظور باستثنائے شرکت مسلم لیگ"

(مولانا آزاد اور اُن کے ناقد، از: ایم اے شاہد، مطبوعہ: کراچی، ۱۹۸۱ء، ص:۴۴۔ بیس بڑے مسلمان، ص:۷۱۵)

آزاد کی مسلم لیگ دشمنی اور کانگرس پرستی کا عقدہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس طرح حل کیا کہ

"مولانا آزاد جب امام الہند نہ بن سکے اور علماء نے ان کو نظر انداز کر دیا تو انہوں نے اپنی انا کی تسکین کے لیے کانگرس میں شمولیت اختیار کر لی"۔

(مولانا آزاد اور اُن کے ناقد، ص:۵۵)

۱۹۴۰ء میں مولانا آزاد نے رام گڑھ کانگرس کے خطبۂ صدارت میں بانگِ دہل فرمایا:

"میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، میں ہندوستان کی ایک ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک ایسا عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے۔ میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر حامل فیکٹر ہوں، میں اس دعویٰ سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا"۔ (مولانا آزاد اوران کے ناقد، ص:۸۹)

آزاد کی مسلسل اسلام دشمنی اور کانگرس نوازی کے پیش نظر جناب سید انور کرمانی نے ایک نظم لکھی تھی جو روزنامہ "نوائے وقت" لاہور مورخہ ۳ جولائی ۱۹۴۶ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ ملاحظہ فرمایئے:

اے کہ تجھ کو اپنی ملت سے ہے کد
کھا گیا تجھ کو قیادت کا حسد

تو نے کی جس کی اشاعت پے بہ پے
کیا یہی وہ غلبۂ اسلام ہے

علم و فکر و آرزو و جستجو
مستعار او رہنِ افسونِ عدو

بندگیٔ غیر کا گردن میں طوق
کم سواد و کم نگاہ و کور ذوق!

اے اسیرِ حکمتِ عصرِ جدید
حق سے نومیدی، برہمن سے اُمید

تیرے ہنگاموں سے ملت سرنگوں
سومناتی ہے تیرا ذوقِ جنوں!

راس کعبے کی ہوا تجھ کو نہیں
آنکھ محروم نظر، دل بے یقین

یہ جہاں، یہ مال و دولت ہیچ ہے
یہ قیادت، یہ سیادت ہیچ ہے

کفر کے طوفان میں دیوارِ حرم
اور ہے خاموش غدارِ حرم

از شکر فیہائے ایں قرآن فروش
دیدہ ام روح الامین رادر خروش

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص:۳۵۵)

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے ابوالکلام آزاد کی خدمات کو بڑے احسن انداز میں پیش کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

"بدرالدین طیب جی سے لے کر تصدق احمد خاں شروانی تک ہندوستان کے بیسیوں مسلمان اکابر وقتاً فوقتاً کانگرس میں شریک رہ چکے ہیں جن میں محمد علی ایسے آتش نفس، انصاری ایسے ایثار پیشہ، جناح ایسے آئین پسند، حسن امام ایسے قانون دان اور حسرت موہانی ایسے رئیس المتغزلین سبھی قسم کے لوگ موجود تھے، لیکن مسلمانوں کے قومی مفاد کو جس بے حسی بلکہ سنگدلی سے قربان کرنے کا شرف حضرت "امام الہند" (امام الہنود) کے حصے میں آیا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔"

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص:۴۳۳)

آزاد کانگرس کی محبت میں اس قدر مستغرق ہو چکے تھے (بلکہ بہ الفاظِ دیگر فنا فی الہندو کے مرتبہ پر فائز ہو چکے تھے) کہ وہ کسی صوبے میں بھی مسلمانوں کی حکومت کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ آسام میں سعد اللہ وزارت کو ناکام بنانا آزاد کی کوششوں کا کرشمہ تھا۔ آسام اسمبلی کے ممبروں کی تعداد ۱۰۵ تھی جن میں سے ۳۵ مسلمان تھے اور ۳۳ کانگریسی ہندو۔ سعد اللہ نے غیر کانگریسی ارکان کو اپنے ساتھ ملا کر ایک اچھی خاصی مضبوط حکومت قائم کر لی تھی لیکن کانگریس اندر ہی اندر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے میں مصروف رہی اور بالآخر ۱۲ ستمبر ۱۹۳۸ء کو اپنی وزارت بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ (اقبال کے آخری دو سال، ص:۴۵۵)

آزاد کے اس اہم کارنامے پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی یوں رقمطراز ہیں:

"مولانا کا صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں اُن کی جداگانہ ہستی کو ختم کر کے انہیں ہندو اکثریت میں مدغم کر دیا جائے اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں سازشوں، ریشہ دوانیوں اور افترا پردازیوں کے

جال پھیلا کر ان کی قومی حمیت کو پارہ پارہ کیا جائے تا کہ اغیار کو حکمرانی کے مواقع مہیا ہوتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (اقبال کے آخری دو سال، ص:۴۵۶)

کون نہیں جانتا کہ ۴۶۔۱۹۴۵ء کے انتخابات معرکۂ دین و وطن تھے، حق و باطل کا فیصلہ تھے، کفر اور اسلام کے مابین مقابلہ تھے، بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ اسلامیانِ برصغیر کی تقدیر کا فیصلہ تھے۔ مسلم لیگ نے بتائید ایزدی مرکزی اسمبلی میں سو فیصد کامیابی حاصل کی، کانگرس کی صفوں میں ماتم برپا ہو گیا اور وہ صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے اپنے تمام وسائل و ذرائع بروئے کار لاکر (اگرچہ مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔) میدان میں اتر آئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھنؤ کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"ہم انتخابات کی پوری تیاری کریں گے، جو کوئی ہماری مخالفت کرے گا اسے کچل دیں گے، ہم اپنے بنیادی اُصولوں کے بارے کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے، ہم لڑنا جانتے ہیں، ہم نے حکومتِ برطانیہ سے بھی لڑائی کی ہے۔"

بمبئی میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے جلسے میں پنجاب کے ایک کانگرسی رُکن نیکی رام شرما نے مسلم لیگ پر سوقیانہ انداز میں حملے کرنے کے بعد کہا:

"چاروں اکثریتی صوبوں میں مسلم لیگ چاروں شانوں چت گرے گی، مسلمان بھوکے ہیں وہ اُسی کو ووٹ دیں گے جو انہیں روٹی دے گا۔"

آزاد نے بھی اعلان فرمایا کہ:

"صوبائی مجالسِ آئین ساز کے انتخابات میں ہر مسلم نشست کا ہم مقابلہ کریں گے اور غیر معمولی کامیابی حاصل کریں گے"۔

اس کے بعد مجلسِ احرار اور دوسری مسلم لیگ دشمن جماعتوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ:

"وہ منظم ہو کر ایک وُجود بن جائیں اور ڈٹ کر مسلم لیگ کا مقابلہ کریں۔"

مولانا آزاد کی یہ اپیل کارگر ہوئی اور خاکسار، جمیت علمائے ہند اور دیگر جماعتوں نے مسلم لیگ کے خلاف ایک محاذ بنا لیا۔ انہوں نے مسلم لیگ کے راستے میں کانٹے بچھائے، پتھر پھینکے، چاقو اور خنجر سے وار کیے، جلسے درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔

کانگرس نے اور کانگرس کے ان حلیفوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا مجلس احرار کے واعظان آتش مقال اور علمائے شیادہ بیان دورے پر نکل پڑے۔

عطاء اللہ شاہ بخاری اور شورش کاشمیری کی خطابت نے رنگ باندھے مگر بُری طرح پٹے۔ دیوبند کے طلباء کی ایک جماعت حسین احمد مدنی کی قیادت میں شہر شہر اور قریہ قریہ گشت کرتی رہی۔ جہاں موقع ملتا، آزاد بھی بذریعہ طیارہ پہنچ جاتے۔ غرض تفریق بین المسلمین اور تضعیف شوکت مومنین میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا۔

احرار اور خاکسار میدان انتخاب میں زورِ زبان اور قوتِ استدلال سے زیادہ دست و بازو کی طاقت کے بل پر اُترے۔ ہنگامہ آرائی کی، شورش اور بدامنی کے مظاہرے کیے۔ ان کا کوئی عظیم الشان جلسہ ایسا نہیں ہوا جس میں مسلم لیگ کو اور قائد اعظم کو ایک ایک منہ میں سو سو گالیاں نہ دی گئی ہوں۔ مگر نتیجہ مولانا کی امیدوں کے بالکل برعکس نکلا۔ (آزادی ہند، ص: ۱۴۴ تا ۱۴۶)

اب ہم صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں کے نتائج کی تفصیل پیش کرتے ہیں تا کہ ناظرین مسلم لیگ کی زبردست کامیابی سے آگاہ ہو سکیں اور یہ اندازہ بھی کر سکیں کہ کانگرس کا بے پناہ روپیہ، آزاد کا علم و فضل اور ان کے دیگر ساتھیوں کا اثر و رسوخ مسلم لیگ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا، بلکہ رُسوائی اور ذلالت ان سب کا مقدر ٹھہری۔

نام صوبہ	کل مسلم حلقے	کامیاب مسلم لیگی امیدوار	نتیجہ فیصدی	کیفیت
سرحد	۳۸	۱۷	۴۵	
پنجاب	۸۶	۷۵	۸۷	

سندھ	۳۵	۲۸	۸۰	
بنگال	۱۱۹	۱۱۳	۹۵	
آسام	۳۴	۳۱	۹۱	
یوپی	۶۶	۵۵	۸۳	
بمبئی	۳۰	۳۰	۱۰۰	
مدراس	۲۹	۲۹	۱۰۰	
سی پی	۱۴	۱۴	۱۰۰	
بہار	۴۰	۳۴	۸۵	
اڑیسہ	۴	۴	۱۰۰	
میزان	۴۹۵	۴۳۰	۸۷	

اس طرح پورے ہندوستان میں ۴۹۵ مسلم نشستوں کیلئے ۴۳۰ مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی ایک بڑی زبردست کامیابی تھی، جس نے حصولِ پاکستان کی راہ ہموار کردی۔ (عظیم قائد، از: نواب زادہ محمود علی خاں، مطبوعہ: لاہور ۱۹۸۲ء، ص: ۹۰)

آزاد نے اس شکست کا بدلہ لینے کیلئے لاہور آکر بڑی حکمت و دانائی سے مسلم اکثریت کو پنجاب میں حکومت کرنے کے حق سے محروم کر دیا۔ مسلم لیگ کی اکثریت ہوتے ہوئے بھی بچے کھچے یونینسٹوں کو کانگریسی اور اکالی عناصر کے ساتھ منسلک کر کے غیر لیگی وزارت تشکیل دے کر خضر حیات کو وزیر اعظم بنا دیا اور پنجاب میں کشت وخون کا بیج بو دیا۔ مولانا کا یہ کارنامہ تاریخ میں آبِ زر سے لکھا جائے گا۔

(آزادی کی کہانی میری زبانی، از سردار عبدالرب نشتر، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء، ص: ۸۴۔ قائد اعظم اوران کا عہد، از: رئیس احمد جعفری لاہور، ۱۹۶۶ء، ص: ۷۶۵)

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے ۲۹ جون ۱۹۴۶ء (۴،۳) کی اشاعت میں آزاد کو اچھی طرح بے نقاب کیا ہے۔ پڑھیے اور لطف اٹھایئے۔

غداری کا دُوسرا نام ابوالکلام آزاد

"مولوی ابو الکلام آزاد ہندوستانی سیاسیات میں آجکل وہی پارٹ ادا کر رہے ہیں جو دوسو سال پہلے بنگال میں میر جعفر نے اور میسور میں میر صادق نے ادا کیا، یا ہمارے اپنے زمانے میں لاوَل نے فرانس میں اور کوئز لنگ نے ناروے میں۔

یہ حقیقت مبالغے سے بالکل خالی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے استقلال اور ہندوستان کی ترقی کے رستے میں سب سے بڑی چٹان مولوی ابوالکلام آزاد کا وجود گرامی اور ان کی خالص خود غرضانہ سیاسیات ہیں۔ ۱۹۲۵ء کی شملہ کانفرنس کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ مولوی صاحب کی ہٹ دھرمی تھی اور ۱۹۴۶ء کی گفتگوئے مفاہمت تین ماہ کی مسلسل تگ ودو کے بعد اس کی ناکامی کا ناقابل رشک شرف بھی مولوی ابوالکلام آزاد ہی کے حصے میں آیا۔

ہندوستان کے آئندہ دستور کے سلسلے میں مولوی ابوالکلام آزاد نے وزیر ہند کو جو خط لکھے وہ منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان خطوط کی ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف مسلمانوں کے خلاف زہر میں بجھے ہوئے تیروں کا درجہ رکھتے ہیں۔

مولوی صاحب نے ان خطوں میں وزارتی مشن کی اس تجویز کے خلاف پُرزور احتجاج کیا تھا کہ مجوزہ مرکزی یونین کی مجلس آئین ساز اور اُس کی اگزیکٹو میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو مساوی نمائندگی دی جائے۔ بیسویں صدی کے اِس "امام الہند" کی دلیل یہ تھی کہ مسلمان محض ایک اقلیتی فرقہ ہیں اور جمہوری اصولوں کے پیش نظر اِس اقلیتی فرقے کو عظیم ہندو کے مقابلے پر مساوی نمائندگی نہیں دی جاسکتی۔ ان خطوط کی اشاعت نے صدر کانگرس کے ان معدودے چند مداحین کو بھی جنہیں ابھی تک اُن کی ذاتِ گرامی سے حسن ظن وابستہ ہے فرط حیرت میں ڈال دیا تھا کہ کیا یہ سطور کسی مسلمان کی طرف سے نکل رہی ہیں؟ مگر ۲۹ جون کو مولوی ابوالکلام آزاد نے

اپنے دستخطوں سے جو خط وائسرائے کے نام بھیجا تھا مولوی صاحب کے مذکورہ بالا خطوط بھی ان کے اس گرامی نامہ کے سامنے ماند ہیں۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ قائداعظم جناح نے ۱۸ جون کو وائسرائے کے نام ایک خط لکھا جس میں موصوف سے پوچھا گیا تھا۔

اول: اگر اچھوتوں، عیسائیوں، سکھوں اور دیگر پارٹیوں کے نمائندوں میں سے کسی صاحب نے مجوزہ عارضی حکومت میں شرکت منظور نہ کی یا کسی آئندہ مرحلے پر سکھوں، پارسیوں، اچھوتوں اور عیسائیوں میں کوئی نشست خالی ہوگئی تو کیا اس نشست کو پُر کرتے وقت مسلم لیگ سے مشورہ لیا جائے گا۔ وائسرائے نے اِس بات کا جواب اثبات میں دیا۔

دوم: عارضی حکومت کی تشکیل میں جس فرقہ وارانہ تناسب کو اب ملحوظ رکھا گیا ہے بعد میں اس میں کوئی تبدیلی تو نہیں کی جائے گی۔ وائسرائے کا جواب نفی میں تھا۔

سوئم: کیا وائسرائے مسلم لیگ کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ اگر مجوزہ عارضی حکومت کے مسلمان ارکان کی اکثریت کسی فرقہ وارانہ فیصلہ کے خلاف ہو تو اس فیصلہ کو عملی جامہ نہیں پہنایا جائے گا۔ وائسرائے نے اس سوال کے جواب میں مسٹر جناح کو مطلوبہ ضمانت دے دی۔

موٹی عقل کا آدمی بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ ان تینوں سوالوں کا براہ راست تعلق مسلمانوں سے ہے، اگر مسلم لیگ کی جگہ جمعیت علماء اور قائداعظم کی جگہ مولوی حسین احمد مدنی ہوتے تو انہیں بھی مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ کیلئے وائسرائے کو یہی تین سوال پوچھنے چاہیے تھے۔ اس لیے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت کے فُقدان کی وجہ سے یہ ملک مغرب کے نظام جمہوری کے لیے قطعاً ناموزوں ہے، مغرب کے نظامِ جمہوری کے ماتحت برطانوی یا فرانسیسی پارلیمنٹ میں

آج جو جماعت اقلیت میں ہے کل وہ مبدل بہ اکثریت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح اکثریت والی پارٹی مستقبل میں اقلیت میں بدل سکتی ہے لیکن ہندوستان میں اقلیت ہمیشہ یا کم از کم آئندہ دو سو سال تک اقلیت میں رہے گی۔ اور اکثریت اس طرح مستقل اور ناقابل تغیر اکثریت میں۔ جہاں اقلیت اور اکثریت اس طرح مستقل اور ناقابل تغیر ہو وہاں اقلیت پارٹی مناسب تحفظات اور ضمانتوں کے بغیر کسی کولیشن وزارت یا حکومت میں شرکت نہیں کر سکتی، اور اگر وہ ایسا کرے تو مہلک سیاسی غلطی کی مرتکب ہو گی۔

مولوی ابوالکلام آزاد نے وائسرائے کے نام جو خط لکھا اس میں سب سے پہلا اعتراض اس بات پر ہے کہ مسٹر جناح نے اچھوتوں کو ہندوؤں سے ایک علیحدہ اقلیت کیوں قرار دیا۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ''ہم اچھوتوں کو ہندو سماج کا ایک لازمی عنصر سمجھتے ہیں۔''

ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ''الہلال'' کا ایڈیٹر اور ''ترجمان القرآن'' کا مصنف راشٹر پتی کی گدی پر بیٹھ کر مفسر قرآن کی بجائے منو کے دھرم شاستر کا شارح بن بیٹھا ہے اور ہندو سماج کو افتراق و انتشار سے بچانے کا فرض بھی اس نے اپنے ذمے لے رکھا ہے، خواہ اس فرض کی ادائیگی میں اسے سات کروڑ اچھوتوں کے جائز حقوق ہندو جاتی کے سامراج کی ہی خاطر غصب کیوں نہ کرنے پڑیں۔

مولوی ابوالکلام آزاد کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ اگر اچھوتوں، پارسیوں، عیسائیوں اور سکھوں کی کوئی نشست خالی ہو تو اسے پُر کرنے سے پہلے مسلم لیگ کے صدر سے مشورہ کیوں لیا جائے؟ مولوی صاحب یہ فرماتے ہیں۔ ایک ایسی جماعت کو جو صرف ایک قوم کی نمائندگی کی دعویدار ہے اقلیتوں کی نمائندگی کرنے کے معاملہ میں مشورے کا مستحق کیوں گردانا گیا۔ بالفاظ دیگر مولوی صاحب کو اس پر اعتراض ہے کہ ایک ایسی جماعت جو صرف مسلمانوں کی نمائندہ ہے کولیشن حکومت میں شرکت کے

باوجود کولیشن میں اپنے ساتھی عناصر کے انتخاب کے معاملہ میں رائے دینے کی مستحق کیوں سمجھی گئی؟ مولوی صاحب کے نزدیک یہ حق صرف ہندو کانگریس کیلئے، جس کے وہ نمائشی مسلمان صدر ہیں، مخصوص رہنا چاہیے۔

لیکن سب سے حیران کن اعتراض جس کی توقع کوئی مسلمان مولوی ابو الکلام آزاد سے بھی نہیں کرسکتا تھا اس بات پر کیا گیا کہ وائسرائے نے قائدِ اعظم جناح کا یہ مطالبہ کیوں مانا کہ اگر عارضی حکومت کے مسلمان ممبروں کی اکثریت کسی فرقہ وارانہ فیصلے کے خلاف ہوگی تو اُس فیصلے کو عملی جامہ نہیں پہنایا جائیگا۔ جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔ اس ضمانت کے بغیر مسلمانوں کی کسی کولیشن حکومت میں شرکت مہلک ہوگی اور یہ ضمانت مسلمانوں کے حقوق ومفاد کے لحاظ سے قطعاً ناگزیر ہے۔ مگر مولوی ابو الکلام آزاد اس پر بھی نارض ہیں کہ وائسرائے نے یہ ضمانت دیکر عارضی حکومت میں ویٹو کی طاقت مسلم لیگ کے حوالے کردی، یعنی مولوی ابو الکلام آزاد کا اطمینان صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ وائسرائے مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتے اور ہندو اکثریت کو یہ حق دے دیا جاتا کہ وہ اپنے ووٹوں کی اکثریت کے بل بوتے پر من مانی کارروائی کرے۔

مولوی ابو الکلام آزاد نے کانگریس کی قومی حیثیت کا بھی رونا رویا ہے۔ کم از کم انہیں تو یہ ذکر چھیڑتے ہوئے ندامت محسوس کرنی چاہیے۔ ہندوستان کی مختلف اسمبلیوں میں مسلمان ممبروں کی تعداد صرف ۵۲۲ ہے۔ ان ۵۲۲ نشستوں میں سے کانگریسی مسلمان صرف ۲۳ نشستیں جیت سکے۔ ان میں سے ۱۹ نشستیں صرف صوبہ سرحد کی ہیں۔ جہاں مسلمانوں سے کانگریس کے نام پر نہیں بلکہ خدائی خدمت گار غریب کے نام پر ووٹ مانگے گئے۔ سی پی، اڑیسہ، بمبئی، مدراس، پنجاب، سندھ، آسام اور خود اس صوبہ میں کہاں مولوی ابو الکلام آزاد گذشتہ ۳۰ برس سے قیام فرما ہیں ایک کانگریسی مسلمان بھی اسمبلی کا ممبر ہونا تو کجا انتخاب میں اپنی ضمانت تک نہ بچاسکا۔

ان اعداد و شمار کی روشنی میں یہ دعویٰ کہ کانگریس ایک قومی جماعت ہے، کیونکہ ایک مسلمان اس کا نمائشی صدر ہے اور نہرو، پٹیل کے مرتب کیے ہوئے خطوط و بیانات کے مسودوں پر بلا چون و چرا اپنے دستخط ثبت کر دیتا ہے۔ بالکل لغو ہے۔ بہر حال مولوی ابوالکلام آزاد نے ایک مرتبہ اور یہ حقیقت واضح کر دی کہ غداری تیرا دوسرا نام مولوی ابوالکلام آزاد ہے۔"

وائے بعشقے کہ نار او فسرد
در حرم زائید و در بت خانہ مُرد

(تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء، ص: ۴۷۵ تا ۴۸۰)

اب ہم آخر میں "نوائے وقت" کا ایک اور اداریہ نقل کرتے ہیں جو مولانا آزاد کی رحلت کے بعد ۱۳ مارچ ۱۹۵۸ء کو لکھا گیا۔

"اس میں شک نہیں کہ ابوالکلام نے اپنی زندگی کے پہلے دس بارہ سال میں قابل قدر علمی و قومی خدمات انجام دیں، اور اگر تحریک خلافت و ترکِ موالات کے زمانہ میں ان کا انتقال ہو جاتا تو اُن کی موت پر جتنا بھی ماتم کیا جاتا کم ہوتا۔ لیکن اس مختصر دور کے بعد ان کی زندگی میں جو انقلاب ہوا اور ۳۵ سال تک وہ جس راستہ پر گامزن رہے وہ خود رہنماؤں کے گمراہ ہو جانے کی ایک المناک مثال ہے۔ ابوالکلام کے اس طرز عمل کو محض سیاسی اختلافات قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ملی نصب العین کے حصول کی خاطر موت و حیات کی جنگ میں اپنی ملت کا ساتھ چھوڑ کر دشمن کا آلۂ کار بننا اگر سیاسی اختلاف ہے تو پھر غداری کی کیا تعریف ہو گی؟ اور اگر سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کی طرح قائداعظم بھی اپنی جدوجہد میں ناکام ہو جاتے تو کیا اس کے نتائج پلاسی اور سرنگاپٹم میں شکست کے نتائج سے زیادہ تباہ کن نہ ہوتے؟ ہندوؤں نے اچھوتوں سے جو سلوک کیا، ہندوستان میں بدھ مت کا جو حشر ہوا، اور نہرو کے "جمہوری اور سیکولر" بھارت میں مسلمانوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں کیا سب

اس حقیقت کا ثبوت نہیں کہ ہندو سامراج، برطانوی سامراج سے بھی زیادہ تباہ کار ہے۔اب اگر ہندو سامراج کے آلہ کار ابوالکلام قابلِ تعریف ہو سکتے ہیں، تو پھر میر جعفر اور میر صادق کو کیوں ملعون قرار دیا جاتا ہے، اور ان کے طرز عمل کو بھی سیاسی اختلاف کیوں نہیں کہا جاتا؟

ابوالکلام اور ان کے دونوں پیش رووں میں جو فرق ہے وہ صرف زمانہ کا ہے۔دو سو سال کے زمانی بُعد نے بنگال اور دکن کے غداروں کو تو اس طرح بے نقاب کر دیا کہ وہ ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن نظر آنے لگے،لیکن زمانی قُرب، ذاتی تعلقات اور پاس ولحاظ کی بدولت مسلمانوں کی جنگ آزادی کے غدار طرح طرح کے رنگین نقابوں میں چھپے ہوئے ہیں، مگر وہ دن دور نہیں جب حقیقت شناس مؤرخ ان نقابوں کو پارہ پارہ کر دیں گے، اور ''جعفرانِ آں زماں'' کے ساتھ ''جعفرانِ ایں زماں'' کی روحیں بھی قلزمِ خونیں میں مبتلائے عذاب نظر آنے لگیں گی۔سجاد انصاری نے جس ابوالکلام کی تعریف کی ہے وہ قرآنی دعوت دینے والے مولانا ابوالکلام تھے۔نہ کہ اس سے منحرف ہو جانے والے شری ابوالکلام۔اس کے علاوہ یہ تعریف جس کو محض لفاظی کہنا چاہیے اس قدر مبالغہ آمیز ہے کہ ابوالکلام اپنی زندگی کے روشن ترین دور میں بھی اس کے مستحق نہ تھے۔اگر ابوالکلام کو پرکھنے کا یہی معیار ہے تو پھر انہی سجاد حیدر کا یہ قول کیوں نہ ملحوظ رکھا جائے کہ فرشتہ اور عالم دونوں گمراہ ہو کر شیطان بن جاتے ہیں۔اس طرح ''حضرت معلم الملکوت'' اور ''حضرت امام الہند'' کی زندگی میں حیرت انگیز مماثلت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ ہر عالم کی موت عالم کی موت نہیں ہوتی، اور ایک مخصوص دور کی نیکیاں بقیہ تمام زندگی کے گناہوں کا جواز نہیں بن سکتیں۔موت ہر شخص کی افسوسناک ہوتی ہے اور اس پر اظہارِ تأسف بھی کیا جاتا ہے لیکن ملت کے مجرموں کے سوگ میں اتنا غلو ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ پاکستان کے بدنام ترین دشمن اس یقین اور اطمینان کے ساتھ مریں کہ ان کے غم میں

پاکستانی صحافت سیاہ پوش ہو جائے گی۔" (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص:۹۷۶تا۹۷۹)

بڑی زیادتی ہوگی اگر اختتام پر مولانا ظفر علی خاں کا ہدیہ آزاد کے حضور پیش نہ کیا جائے

بوالکلام آزاد سے یہ پوچھتے ہیں دل جلے
آج کل تم پیشوائے اُمت مرحوم ہو

کیا خطا کوئی بھی سرزد تم سے ہو سکتی نہیں
تم بھی کیا پاپائے روما کی طرح معصوم ہو

نہرو و گاندھی کے دل کا حال تم جانو اگر
پھر ذرا تم کو بھی قدرِ عافیت معلوم ہو

کٹ کے اپنوں سے ملے ہو جا کے تم اغیار سے
پھر یہ کہتے ہو کہ ہم ظالم ہیں تم مظلوم ہو

ہم مسلمان ہیں جو ہیں اوج سعادت کے ہما
آئیں اسکے سائے میں ہم کس طرح جو بوم ہو

تم یہ کہتے ہو کہ مسلم لیگ ہے رجعت پسند
تم کہاں کے ہٹلر وقت اے میرے مخدوم ہو

کیا تماشا ہے کہ نہرو ہو ہمارا ترجماں
اور غلامی کفر کی اسلام کا مقسوم ہو

کیا تماشا ہے کہ ہم گاندھی کے آگے جھکائیں سر
کیا قیامت ہے جو حاکم ہے وہی محکوم ہو

اے خدا راہ ہدایت اس مسلماں کو دکھا
غیرتِ اسلام کی دولت سے جو محروم ہو

وقت آپہنچا کہ ہو اسلام کا جھنڈا بلند
اور یہ نظم زندگی بارِ دگر منظوم ہو

وقت آپہنچا کہ "یا گاندھی" پکارے کانگرس
نعرہ مسلم لیگ کا "یا حی یا قیوم" ہو

وقت آپہنچا کہ ملت کے مٹیں سب اختلاف
اور ہمارے نام کی ہندوستاں میں دھوم ہو

(ظفر علی خاں اور اُن کا عہد، از: عنایت اللہ نسیم سوہدروی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء، ص:۲۶۰۔
چمنستان، از: مولانا ظفر علی خاں، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۴ء، ص:۱۵۱،۱۵۲)

مولوی مودودی

مودودی کی پیدائش ۳ رجب ۱۳۲۱ھ/ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو محلہ چیلی پورہ اورنگ آباد (حیدر آباد دکن) میں ہوئی۔

(سید ابو اعلیٰ مودودی، از: ابو الآفاق، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۱ء، ص: ۴۹)

حصول تعلیم کے بعد کئی ایک پرچوں میں کام کرتے رہے۔ ۲۵ اگست ۱۹۴۱ء کو جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی اور پھر تادم واپسیں سواد اعظم سے ہٹ کر اپنے مخصوص مذہبی و سیاسی نظریات کا پرچار کیا۔

(ہمارے سیاستدان، از: محمد موسیٰ بھٹو، مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۷۹ء، ص: ۲۰ تحریک جماعت اسلامی، از: ڈاکٹر اسرار احمد مطبوعہ: لاہور ۱۹۶۶ء، ص: ۴۷۔ لیڈران کرام، از: ریاض بٹالوی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء، ص: ۵۶)

حضرت قائداعظم اور دیگر سیاسی لیڈر کے علاوہ بڑے بڑے علماء و مشائخ مسلم لیگ کے ساتھ تھے مثلاً امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف، پیر غلام مجدد سرہندی، پیر سید دیوان آلِ رسول اجمیری، مولانا عبدالحامد بدایونی، خواجہ قمر الدین سیالوی، مولانا عبدالغفور ہزاروی، مولانا ابوالحسنات، مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی، مولانا جمال الدین، عبدالوہاب فرنگی محلی، مولانا حسرت مُوہانی، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالستار خاں نیازی وغیرہم۔ جن کا تذکرہ ہم اپنی کتاب "اکابر تحریکِ پاکستان" کی دو جلدوں میں تفصیل کے ساتھ پیش کر چکے ہیں۔ مگر افسوس کہ مولانا مودودی کو اُن میں سے ایک بھی صحیح مسلمان نظر نہ آیا۔ ملاحظہ ہو ان کا ارشاد گرامی "افسوس کہ لیگ کے قائداعظم سے لیکر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو۔ یہ لوگ مسلمان کے معنی و مفہوم اور اس کی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے۔"

(تحریکِ آزادیٔ ہند اور مسلمان، حصہ دوم، از: مولانا مودودی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء، ص: ۴۲)

دراصل مودودی کی خواہش تھی کہ مسلم لیگ کی زمام اقتدار اُن کے ہاتھوں میں ہو، مگر جب یہ آرزو پوری نہ ہو سکی تو طرح طرح سے مسلم لیگ، قائداعظم اور

تحریک پاکستان کو بدنام کرنے لگے اور تحریک پاکستان سے الگ تھلگ رہ کر کانگریس کی تقویت کا باعث بنے، جیسا کہ زیڈ اے سلہری فرماتے ہیں:

"مولانا نے تحریکِ پاکستان سے اپنی کنارہ کشی کا کبھی کوئی سبب بیان نہیں فرمایا، لیکن اس کی وجہ بہر حال تھی اور بادنیٰ تأمل جو بات معلوم ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا نے مسلمانوں کی جُدا گانہ قومیت کا پرچار اِس امید میں کیا تھا کہ وہ اپنی قیادت انہی کو سونپ دیں گے، لیکن جب یہ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں نے جس شخص کی صدا پر کان دھرا وہ بجائے ان کے قائداعظم تھے تو انہوں نے فوراً اس پورے نقشہ کار ہی کو نوچ دیا...... (گویا) مودودی کی غداری کا اصل سبب خالص ذاتی تھا۔!

(اسلام اور پاکستان، از: ڈاکٹر اسرار احمد، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء، ص:۱۲)

مودودی کا وزن کانگریس کے پلڑے میں رہا اور اس فرقہ وارانہ ہندو جماعت سے اشتراک کو ضروری خیال کرتے رہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

"کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ ہم کانگریس سے تصادم چاہتے ہیں، ہرگز نہیں، ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے تو ہمارا مقصد وہی ہے جو کانگریس کا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس مشترک مقصد کیلئے بالآخر کانگریس ہی کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔"

(تاریخ نظریہ پاکستان، از: پیام شاہجہانپوری، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء، ص:۳۵۲۔ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، حصہ اول، ص:۶۴)

مودودی نظریہ پاکستان سے متفق نہ ہو سکے اور اس آزاد اسلامی ریاست کے متعلق اپنا نقطۂ نظر ان الفاظ میں پیش کیا کہ:

"جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو گی، ان کا گمان غلط ہے، دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہو گا وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہو گی۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، حصہ دوم، ص:۱۳۲۔ تاریخ نظریۂ پاکستان، ص:۳۵۲۔ سیاسی جماعتیں طلباء کی عدالت میں، از: اشرف رضا مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۰ء، ص:۴۴)

میں اپنی طرف سے اس ارشاد پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ ناظرین خود ہی غور

فرمائیں اور صالحین کی جماعت کے سربراہ کی مسلم دشمنی اور ہندو نوازی پر خون کے آنسو روئیں۔

مودودی کے اتباع میں ان کے چیلوں نے بھی پاکستان کی خوب تضحیک کی

۔نصر اللہ خاں عزیز نے اپنے پرچہ "کوثر" لاہور شمارہ ۱۷ جون ۱۹۴۷ء میں ارشاد فرمایا:

"پاکستان نہیں فاقستان" ۔۱۳ جون ۱۹۴۷ء کے شمارہ میں فرمایا۔ "لنگڑا پاکستان"۔

(مولانا مودودی اور جماعت اسلامی، از: ممتاز علی عاصی، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء، ص: ۵۷)

اہل نظر حضرات جن میں نواب بہادر یار جنگ مرحوم و مغفور سر فہرست ہیں نے جماعتِ اسلامی کے قیام کے فوراً بعد ہی بھانپ لیا تھا کہ یہ جماعت ایک مستقل فرقہ بن جائے گی اور اس کے ارکان اس میں شریک نہ ہونے والوں کو اسلام سے خارج تصور کریں گے۔

(مکاتیب نواب بہادر یار جنگ، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، ص: ۲۳۸، ۲۵۶)

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس جماعت نے اپنے سوا ہر مسلمان کو نامکمل اور ناقص مسلمان گردانا مسلم لیگ کے تصور پاکستان کی علی الاعلان مخالفت کی اور پاکستان کو "ناپاکستان" کہہ کر یاد کیا۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ۱۹۵۳ء، ص: ۲۶۱)

اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جس پاکستان کی جی بھر کر مخالفت کی وہی پاکستان مودودی اور ان کے حواریوں کی پناہ گاہ بنا۔ جس درخت کی جڑیں کاٹیں بالآخر اس کا پھل کھانا پڑا، لیکن باوجود اس کے ان کے نظریات میں تبدیلی نہ آسکی۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرار داد پاکستان منظور ہوئی تو اسلامیان ہند کے دل بلیوں اچھلنے لگے کہ انہیں جلد ہی سورج سے زیادہ روشن منزل پاکستان کی شکل میں مل جائے گی۔ جہاں وہ خدا اور رسول ﷺ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ مگر مودودی کی جماعت میں صف ماتم بچھ گئی جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔

"جب میں مسلم لیگ ریزولیشن کو دیکھتا ہوں تو میری روح بے اختیار ماتم کرنے لگتی ہے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، حصہ: سوم، ص: ۳۷۔ علامہ اقبال، قائد اعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان، از: چوہدری حبیب احمد، مطبوعہ فیصل آباد ۱۹۸۲ء، ص ۲۰۸)

مسلم لیگی رہنماؤں کے بارے میں مودودی کا ارشاد ملاحظہ ہو:

"یہ مسلمانوں کی قوم میں پیدا ہوئے اس لیے مسلمانوں کی حکومت ان کا نصب العین بن گیا ہے۔ یہی ہندوؤں میں پیدا ہوتے تو مونجے اور ساورکر بنتے۔ جرمنی میں پیدا ہوتے تو ہٹلر اور گوئرنگ کے روپ میں نمودار ہوتے۔ کسی اطالوی کی آغوشِ محبت میں جنم لیتے تو مسولینی کی صورت اختیار کرتے۔" (ترجمان القرآن ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ، ص:۴۱۹۔ علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان، ص:۶۰، ۶۱)

مودودی نے جب محسوس کیا کہ وہ تنہا تحریک پاکستان کی مخالفت کرنے اور مسلم لیگ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو حضرت والا نے ہندوؤں سے ساز باز شروع کر دی۔ حمید نظامی مرحوم یوں رقمطراز ہیں:

"جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کی تنہا کوششیں مسلم لیگ کی صفوں میں کوئی انتشار پیدا نہیں کر سکتیں تو انہوں نے ہندوؤں سے بھی ساز باز شروع کی۔ چنانچہ پٹنہ میں اپنے پہلے پبلک جلسہ میں مسٹر گاندھی کو دعوت دی اور انہوں نے اس میں شرکت بھی کی (لیکن ہمارا خیال ہے کہ) بنیے نے اس سودے کو کچھ منفعت بخش نہ سمجھا اور ہاتھ کھینچ لیا۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور، مورخہ: ۳۰ اپریل ۱۹۴۷ء۔ علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان، ص:۲۰۴)

یہ واقعہ تشکیل پاکستان سے تین چار ماہ پہلے کا ہے۔ پاکستان پہنچ کر مودودی اور ان کی جماعت نے تحریک پاکستان کے خلاف جو کچھ کیا تھا اور وہ جس طرح مسلسل دس برس تک مسلم لیگ اور قائداعظم کے خلاف نفرت کے جذبات ابھارتے چلے آئے تھے۔ ذرا سوچیے اگر معاملہ یوں ہوتا کہ یہی کچھ کسی پارٹی نے جماعت اسلامی کے ساتھ کیا ہوتا اور مودودی پاکستان کے گورنر جنرل ہوتے تو کیا وہ ان لوگوں کو پاکستان میں گھسنے کی اجازت دیتے؟ اور وہ اگر زبردستی اندر آ جاتے تو یہ ان کے خلاف کیا کچھ نہ کرتے۔ لیکن صاحب اقتدار قائداعظم جیسا وسیع الظرف سربراہ تھا۔ انہوں نے نہایت کشادہ نگہی اور خندہ جبینی سے بمصداق لاتثریب علیکم الیوم کہا کہ جو کچھ پہلے ہو چکا اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اب آئندہ کے لیے امن اور سکون سے زندگی بسر کیجیے۔ کوئی اور ہوتا تو قائداعظم کے اس حسنِ سلوک پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کا رہین منت رہتا لیکن ان حضرات کے دل میں تو حسد کی آگ بھڑک رہی تھی کہ قائد

اعظم کی قیادت کامیاب کیوں ہوگئی اور ہماری اس مخالفت کے علی الرغم پاکستان وجود میں کیوں آ گیا؟ چنانچہ انہوں نے ترجمان القرآن کے پہلے ہی شمارہ میں (جو جون ۱۹۴۸ء کو شائع ہوا تھا) تحریک پاکستان پر بھرپور تنقید کی اور اس کے بعد دل کے پھپھولے یہ کہہ کر پھوڑے کہ "یہ بحث ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے جنہوں نے پچھلی رُبع صدی میں سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے۔" ناظرین اندازہ فرمائیں کہ کیا یہ قائداعظم کی کھلے بندوں توہین نہیں؟

(علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان، ص: ۲۰۴_۲۰۵)

جون ۱۹۴۸ء کے ترجمان القرآن میں قائداعظم کی وفات سے صرف دو اڑھائی ماہ پہلے مودودی نے یہ خراج عقیدت قائداعظم کو پیش کیا تھا جس کا صرف ایک پیرا یہاں نوٹ کیا جاتا ہے جو مسلم لیگ کے قائدین کہلانے والوں کی غیرت کیلیے تازیانہ ہے اور حضرت قائداعظم کو محسنِ ملت تسلیم کرنے والوں اور انصاف پسندوں کیلیے لائق توجہ!

"اس اداکار کا پارٹ اس ڈرامے میں سب سے زیادہ ناکام ہے" اس توہینِ محسن اور اس لچر جملے پر تبصرہ آرائی کرتے ہوئے۔ "مودودیت عوامی عدالت میں" کے صفحہ ۷۰ پر کوثر نیازی صاحب لکھتے ہیں:

"ہمیں اسلامی ضابطۂ اخلاق کے مطابق لکھنے کا سلیقہ نہیں، ورنہ جواباً ہم بھی عرض کرتے کہ مولانا اگر پاکستان کی سیاست واقعی کوئی کھیل تھی تو ذرا اُس میں آپ بھی تو اپنے مقام کا تعین فرمائیں کہ آپ اس کے "وِلن" تھے۔ "ایکسٹرا" مگر ظاہر ہے کہ اس طرح کی شرعی گالیاں دینے کا حق ہم ایسے گناہ گاروں کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اس کے جملہ حقوق تو صرف "صالحین" نے محفوظ کرار کھے ہیں۔

(علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان، ص: ۲۲۶)

مکالمہ:

۱۹۴۸ء کا ذکر چھڑا تو اسی سال کا ایک اور واقعہ بھی سن لیجیے کہ جناب مودودی اور میاں طفیل محمد جھنگ کے دورے پر تشریف لے گئے تو مشہور صحافی عرفان چغتائی مرحوم (جو ہوائی جہاز کے حادثہ قاہرہ میں شہید ہوئے) بعض

دوستوں کے ہمراہ مودودی کے پاس آئے اور ان کی توجہ ایک نمک پاش، جگر سوز پوسٹر کی طرف مبذول کرائی۔ اس طرح کی عبارت تھی جو دارالسلام سے بھاگ کر آنے والے مودودی کی جماعت نے شائع کیا تھا کہ مسلمانو! "تم نے باطل اصولوں کی خاطر گھربار چھوڑا، عزیز اقارب کو ذبح کرایا۔" اور مودودی سے پوچھا کہ مولانا! کیا وہ اصول باطل تھے جن کے لیے مشرقی پنجاب اور ریاستوں کے مسلمانوں کو ہجرت کر کے یہاں آنا پڑا۔ تو مولانا نے جواب دیا:

"واقعی میرے نزدیک کسی کو مہاجر کہنا ازروئے شریعت ناجائز ہے کیونکہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا یہ سفر ہجرت نہیں ہے۔"

عرفان صاحب کا دوسرا سوال تھا کہ

کیا پھر آپ کے نزدیک مہاجرین کی جانی و مالی قربانیوں کی کوئی قیمت نہیں؟

اس پر مولانا مودودی نے فرمایا:

"نہیں، وہ بھگوڑے اور بزدل ہیں، انہوں نے ایک غلط قدم اٹھایا تھا۔"

اس پر عرفان چغتائی نے بھری بزم میں کہا کہ مولانا! خطا معاف، کیا آپ بھی اسی زمرہ میں داخل نہیں؟ مولانا سے اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا اور منہ پر مہر سکوت لگ گئی۔

(علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان، ص: ۲۲۵، ۲۲۶)

چوہدری سردار محمد خاں عزیز نے مودودی کی پاکستان دشمنی بلکہ بہ الفاظ دیگر اسلام دشمنی کی کیسی سچی تصویر کھینچی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

"کئی تنگ دل اور عاقبت نااندیش لوگوں نے اپنی زاتی منفعتوں کے پیش نظر تحریک پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور مسلمانوں کے ایک الگ وطنِ عزیز کی سکیم کو غیر اسلامی قرار دیا۔ چنانچہ ایسے مسلمانوں نے قیام پاکستان کا راستہ روکنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس گروہ میں جماعت اسلامی کے سربراہ اور ان کے سرکردہ کارکنان صفِ اول میں تھے۔ چنانچہ پاکستان بن جانے کے بعد اور پاکستان میں آباد ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ کئی سال تک نہایت سنجیدگی سے پاکستان کی مخالفت میں مصروف رہے اور پھر ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے دوران اچانک نظریہ پاکستان کے سب سے بڑے محافظ بن کر عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے لگے۔ لیکن

عوام کا حافظہ اتنا کمزور تو نہیں تھا...... پاکستان اور نظریہ پاکستان کی مخالفت میں جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ وہ سب محفوظ تھا۔
ان کی لکھی ہوئی کتابیں اور مختلف رسالوں کی فائلیں بطور وجہ ثبوت موجود تھیں۔"

(سرگزشت پاکستان، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۴ء، ص:۱۴۲)

کس کس سے چھپاؤ گے تحریک ریا کاری
محفوظ ہیں تحریریں مرقوم ہیں تقریریں

تحریک پاکستان، مسلم لیگ اور قائداعظم دشمنی کا بھوت مودودی پر اس قدر سوار تھا کہ وہ مرتے دم تک اسے نہ اتار سکے۔ ان کے ساتھیوں نے بھی اپنی بساط کے مطابق مولانا کے اس مقدس مشن کی تبلیغ جاری رکھی۔ ۲۶ فروری ۱۹۷۸ء کو ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن سرگودھا سے خطاب کرتے ہوئے میاں طفیل محمد اور پروفیسر غفور احمد نے اپنے مشترکہ جوابات میں کہا:

"قائدِ اعظم کی نمازِ جنازہ میں شرکت ضروری نہیں تھی اور نہ ہی تمام مسلمانوں کیلئے ایسا کرنا ممکن تھا۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ مولانا مودودی اور خود انہوں نے قائد اعظم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ ان سے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا مولانا مودودی نے بھی قائداعظم کو اپنا قائد تسلیم کیا تھا تو یہ جواب دیا گیا کہ مولانا مودودی خود قائد ہیں، اس لیے وہ قائداعظم کو اپنا قائد کیوں مانتے۔"

(روزنامہ مساوات، لاہور، ۲ فروری ۱۹۷۸ء۔ علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان، ص:۲۳۶)

یاد رہے کہ مولانا مودودی نے علامہ اقبال کی نماز جنازہ میں بھی شرکت نہیں کی تھی۔ حالانکہ دارالسلام (پٹھان کوٹ) لاہور سے کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ آج مودودی حضرات یہ پروپیگنڈا کرتے نہیں تھکتے کہ مودودی علامہ اقبال کی دعوت پر دارالسلام آئے تھے جو بالکل سفید جھوٹ ہے جیسا کہ سید نذیر نیازی لکھتے ہیں:

"مودودی، چوہدری نیاز علی کی دعوت پر پٹھان کوٹ (دارالسلام) آئے۔ ایسا نہیں تھا کہ حضرت علامہ کی دعوت پر آئے ہوں۔"

(علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان، ص:۱۶۱)

قیام پاکستان کے بعد بھی مولانا مودودی کی پاکستان دشمنی بدستور جاری و ساری رہی جس کا مختصر ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ مگر اب آپ دل تھام کر مولانا مودودی کا ارشاد سنیئے۔ روزنامہ "پاکستان ٹائمز" کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے سوال و جواب میں کہا:

"جو لوگ تحریک پاکستان کی صفِ اول میں شامل تھے وہ ہمیں سچے مسلمان نظر نہیں آتے تھے۔ ہمارے دل میں اس تحریک کے اسلامی ہونے کے متعلق شکوک کی یہ وجہ تھی۔ ہم (صرف) قائداعظم کے خلاف نہیں تھے ہم اس پوری قیادت کے خلاف تھے جو تحریکِ پاکستان چلا رہی تھی۔"

(روزنامہ پاکستان ٹائمز، ۱۹۷۷۔۹۔۲۵)

مودودی کے اس ارشاد کی لاہور ہائیکورٹ اور ڈسٹرکٹ و سیشن کورٹ کے یک صد وکلا نے مشترکہ بیان میں سخت مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"تحریک پاکستان میں شاعر مشرق علامہ اقبال، قائدِ ملت لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، مولوی اے۔ کے فضل الحق، حسین شہید سہروردی، پیر جماعت علی شاہ، پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب سیال شریف، مولوی تمیز الدین، میاں عبدالباری اور دوسرے دیندار مسلمان رہنما پیش پیش تھے، جن کا مذہبی اور سیاسی رتبہ مسلّم ہے۔ ان وکلاء نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر (جنرل ضیاء الحق) سے مطالبہ کیا کہ وہ اس انٹرویو کا سختی سے نوٹس لیں جس میں انہوں نے قائداعظم اور تحریک پاکستان کے دوسرے قائدین کے خلاف زہر افشانی کی ہے۔ انہوں نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ وطن عزیز کو معرض وجود میں آئے تیس برس گزر چکے ہیں لیکن مولانا مودودی کے خیالات میں ذرہ بھر بھی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ آج بھی ملک اور تحریک پاکستان کے قائدین کے متعلق وہی نظریات رکھتے ہیں جن کا پرچار وہ ۱۹۴۷ء سے قبل کرتے تھے۔

("روزنامہ مساوات" لاہور، ۲: اکتوبر ۱۹۸۴ء۔ علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان، ص: ۱۰۲)

مودودی کی ایسی ہی خرافات کا نوٹس لیتے ہوئے روزنامہ "نوائے

وقت" نے ۱۵ جولائی ۱۹۵۵ء کے اداریہ میں لکھا تھا اور خوب لکھا تھا

"قائداعظم اور تحریک پاکستان کے خلاف مولانا مودودی کا بغض آج بھی اسی طرح قائم ہے۔ ہم الزام لگاتے ہیں کہ مولانا کی تحریک، ہرگز ایک اسلامی تحریک نہیں۔ وہ حسن بن صباح کی طرح سیاسی ڈھونگ رچائے ہوئے ہیں اور ان کا مقصد دین کی سربلندی کے بجائے سیاسی اقتدار کا حصول ہے۔ ہم مولانا مودودی کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ مولانا احمد علی اور مولانا میکش کی طرح ہمارے خلاف بھی ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ چلائیں اور عدالت میں ان الزامات کی صفائی پیش کریں۔"

("روزنامہ مساوات" لاہور، ۲: اکتوبر ۱۹۸۴ء۔ علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان، ص: ۹۵)

"نوائے وقت" کا یہ اداریہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ دل چاہتا ہے کہ ۳ ستمبر ۱۹۴۸ء کا اداریہ بھی پیش کر دیا جائے جس سے مولانا مودودی کی شخصیت ذرا مزید نکھر کر سامنے آجائے گی۔

"جب تک انگریزوں کی حکومت تھی تو مودودی کے ہمدرد و معاون سرکاری افسر اور اہل کار انگریزی حکومت کی وفادارانہ خدمت کرتے رہے اور مودودی نے انہیں نہ روکا۔ نمائشی پروپیگنڈا دوسری چیز ہے لیکن کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا، کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے بعض اعلیٰ افسر مودودی کے معاون و سرپرست، اور مودودی کو ان سے مالی اعانت بھی ملتی رہی۔ حیرت ہے کہ جب تک انگریز کا راج تھا اس وقت تک مودودی نے نہ تو یہ فتویٰ دیا کہ لڑائی کیلئے فوج میں بھرتی حرام ہے، نہ یہ اعلان کیا کہ میرے معاونوں مریدوں کو انگریزی حکومت سے بغاوت کا اعلان کر دینا چاہیے۔ لیکن پاکستان آکر انہوں نے اپنا معیار کچھ اس ڈھنگ کا بنایا کہ پاکستان کے انتہائی مشکل دور میں قدم قدم پر ان کا حکومت سے تصادم ناگزیر ہو گیا حلف وفاداری کے مسئلے پر حکومتِ پنجاب سے ان کی چپقلش اسی بنا پر ہوئی اور فوجی بھرتی کا قضیہ بھی اسی وجہ سے پیش آیا۔"

("روزنامہ مساوات" لاہور، ۲: اکتوبر ۱۹۸۴ء۔ علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان، ص: ۲۱۵۔۲۱۶)

ناظرین ان دونوں اداریوں کو پڑھ کر مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی پاکستان دشمنی، اسلام دشمنی کا صحیح صحیح اندازہ کر چکے ہوں گے۔ لیجئے اب ایک اور ارشاد سن لیجئے۔ فرماتے ہیں کہ

''جو لوگ پاکستان کے مخالف تھے ...... وہ پاکستان زندہ باد کے دلفریب نعروں کے متعلق جب یہ کہتے تھے کہ یہ فریب ہے، سیاسی چال ہے، تو کیا وہ غلط کہتے تھے؟ (یعنی سچ کہتے تھے)۔ (ترجمان القرآن، جمادی الآخر ۱۹۷۴ء)

امریکہ کی پالتو اس جماعت نے قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں پاکستان دشمنی کا جو کردار ادا کیا ہے، وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے ایک ہندوستانی اخبار ''قومی آواز'' لکھنؤ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء میں لکھتا ہے کہ پنجاب میں قادیانی دشمن ہنگامہ (تحریک ختم نبوت) کے متعلق تحقیقات کرنے والی عدالت میں جرح کے جواب میں خواجہ نذیر احمد (وکیل) نے کہا کہ میرے پاس یہ کہنے کیلئے کافی وجوہ ہیں کہ جماعت اسلامی کے لیڈر مولانا مودودی کو امریکہ سے مالی امداد ملتی تھی۔ جب عدالت نے گواہ سے پوچھا کہ وہ امریکی ذرائع کون سے ہیں جو مولانا مودودی کو امداد دیتے ہیں؟ خواجہ نذیر احمد نے کہا کہ اگر میں اس کی تفصیل میں جاؤں تو پیچیدگی پیدا ہو جائیگی۔

(دیوبندی مذہب، از: مولانا غلام علی مہر، مطبوعہ چشتیاں، ۱۹۵۶ء، ص: ۲۹۱)

مودودی امریکی امداد پر پھلے پھولے، امریکہ کے روپیہ کے زور پر ہی اسلام دشمن لٹریچر چھپا اور امریکہ کی شہ پر ہی انہوں نے پاکستان میں اسلام کا حلیہ بگاڑنے کی ہر ممکن سعی نا مشکور کی اور بالآخر امریکہ میں ہی ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو جاں بحق ہو گئے۔

(روزنامہ ''جسارت'' کراچی، مولانا مودودی نمبر، ص: ۱۱)

پہنچی وہیں پہ خاک کہ جہاں کا خمیر تھا

حبیب الرحمٰن لدھیانوی

حبیب الرحمٰن بن مولوی محمد زکریا بن مولوی محمد بن مولوی عبدالقادر کی ولادت ۳ جولائی ۱۸۹۲ء کو لدھیانہ کے ایک ارائیں گھرانہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے حضرت مولانا نور احمد امرتسری (المتوفی: ۱۳۴۸ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہیہ کیا۔ ۱۹۱۴ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا اور مولانا انور شاہ کاشمیری و دیگر اساتذہ سے استفادہ کیا۔

(کاروانِ احرار، ج: اول، از: جانباز مرزا، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، ص: ۱۲۸۔ جنگ آزادی، ۱۸۵۷ء، از: پروفیسر محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۷۶ء، ص: ۵۹۱)

یوں تو دورِ طالب علمی سے ہی آپ کی طبیعت سیاست کی طرف مائل تھی لیکن ۱۹۱۹ء کے حادثہ جلیانوالہ باغ کے بعد آپ عملی سیاست میں آ گئے اور تحریکِ خلافت، کانگرس اور مجلسِ احرار کے پلیٹ فارم سے اپنی سیاست کو پروان چڑھایا۔ قید و بندکی صعوبتوں سے بھی آپ نبرد آزما رہے۔

حبیب الرحمٰن تا زیست قولاً فعلاً کانگرسی رہے۔ وہ کانگرس سے دور رہ کر مجلسِ احرار کے قیام کو بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے تعلقات غیر مسلموں سے اتنے وسیع تھے کہ شاید ہی اس دور میں کسی نیشنلسٹ مسلمان کے ہوں۔ مولانا کے صاحبزادے عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں کہ

”انقلاب پسند اُن کے ارادتمند، دہشت پسند ان کے گرویدہ، کمیونسٹ اور سوشلسٹ ان کے مداح، سکھ ان کے نام لیوا۔ ان کی نجی صحبتوں میں ایسے ایسے لوگ دیکھے جن کی شان نزول معمولاً سمجھ میں نہیں آتی تھی۔“

(جنگِ آزادی کے مسلم مجاہدین، حصہ سوم، از: عزیز الرحمٰن لدھیانوی، مطبوعہ دہلی ۱۹۷۵ء، ص: ۱۳)

مجلسِ احرار کا سراپا لکھنے والے چوہدری افضل حق کو جسم، حبیب الرحمٰن کو

دماغ، مظہر علی اظہر کو روح اور عطاء اللہ شاہ بخاری کو زبان لکھتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ مولانا کو مجلسِ احرار میں اہم مقام حاصل تھا اور وہ صفِ اول کے احرار لیڈروں میں شامل ہوتے تھے مگر مقام افسوس ہے کہ مجلس احرار کے دیگر رہنماؤں کی طرح مولانا حبیب الرحمٰن نے بھی اپنی تمام تر توانائیاں تحریک پاکستان کی مخالفت میں صرف کر دیں اور تمام اخلاقی، قانونی اور شرعی حدود کو توڑ کر مخالفین پاکستان کی صفِ اول میں شمار ہونے لگے۔

میرٹھ میں آپ تقریر کرتے ہوئے اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے ہوئے اور غصہ سے ہونٹ چباتے ہوئے ارشاد فرمایا: "دس ہزار جینا (محمد علی جناح) اور شوکت (ضیغم اسلام مولانا شوکت علی) اور ظفر (مولانا ظفر علی خاں) جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جاسکتے ہیں۔"

(چمنستان، مولانا ظفر علی خاں، لاہور ۱۹۴۴ء، ص: ۱۶۵)

نیشنل کانفرنس کشمیر کی دعوت پر ایک دفعہ ابوالکلام آزاد اور پنڈت نہرو سری نگر تشریف لے گئے، وہاں ان کا جلوس نکالا گیا، دورانِ جلوس بعض ناخوشگوار واقعات پیش آئے۔ مسلم لیگ اور قائداعظم کے حامیوں اور نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کے درمیان تصادم ہوا۔ ایک دوسرے پر خشت باری بھی کی گئی اور کچھ پتھر شرکائے جلوس پر بھی پھینکے گئے۔ اس واقعہ کے بعد حبیب الرحمٰن نے سری نگر میں نماز جمعہ کے بعد ایک تقریر کی، جس میں انہوں نے کہا: "اگر مسلم لیگ کا موجودہ رویہ اسی طرح جاری رہا تو قلیل عرصے میں اس کو جاپان و جرمنی کی طرح کچل دیا جائے گا۔"

مزید ارشاد کیا کہ "مولانا آزاد اور پنڈت نہرو کی بے عزتی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور ضرور بھگتنا پڑے گا۔"

(تاریخ نظریہ پاکستان، پیام شاہجہانپوری، لاہور ۱۹۷۰ء، ص ۳۹۸، بحوالہ روزنامہ "نوائے وقت" ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء)

مولانا کے ان ارشادات پر پیام شاہجہانپوری تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''مولانا آزاد تو خیر مسلمان تھے۔ ان کی ہتک کا بدلہ لینے کی بات کسی حد تک سمجھ میں آسکتی ہے مگر حیرت اس پر ہے کہ ایک متعصب اور مسلمانوں کے دشمن لیڈر (پنڈت نہرو) کا بدلہ لینے کی دھمکی ایک مسلمان عالم خود مسلمان کو دے رہا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مجلس احرار پاکستان کی مخالفت میں کتنی پست سطح پر اتر آئی تھی اور تحریک پاکستان کو ناکام بنانے کے لیے متعصب ہندو رہنماؤں سے ساز باز کر چکی تھی۔'' (تاریخ نظریہ پاکستان، ص: ۳۹۸)

ہندوؤں سے ساز باز کی تائید نامور ماہر تعلیم، مؤرخ اور دانشور ڈاکٹر محمد شجاع ناموس کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''کانگرس نے مسلمانوں کو اپنے اندر شامل کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی ۱۹۳۶ء سے یہ کام بڑے زوروں سے شروع ہو گیا۔ عوام سے رابطہ کے نام سے کانگرس نے ایک تحریک نکالی، اب پورے زور کے ساتھ مسلم عوام سے رابطہ پیدا کر کے مسلم قومیت کو ہندو قومیت میں جذب کر لینے کی تدبیروں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ جمعیت علمائے (ہند) نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ مجلس احرار اس رابطہ کی ایجنسی بن گئی۔ کانگرس فنڈ ان کی کفالت کیلئے وقف ہو گیا۔ ان کوششوں میں ہر قسم کا مکروہ پروپیگنڈا کیا گیا۔

تہمت و افتراء، تلبیس و تدلیس کا ایک نیا لٹریچر پیدا ہو گیا۔ مسلم لیگ اور اس کے ارکان کے متعلق غلط بیانیوں اور تہمتوں میں کوئی کسر نہ رکھی۔''

(آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۶ء، ص: ۲۰۴)

فنڈ:

اب کانگرس فنڈ کی تفصیل احرار ہی کے رہنما شورش کاشمیری کی زبانی سن لیجیے

۔وہ ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور جلد ۴ شمارہ نمبر ۱۶ (۱۶ اپریل، ۱۹۵۱ء) میں لکھتے ہیں کہ

۱۔ جہاں تک کانگریس کے روپے کا تعلق ہے وہ تو خود مولانا کے علم میں ہے، بلکہ بچاس ہزار روپے کی قسط دلوانے کے حصہ دار ہی آپ تھے۔ رہا یونینسٹ پارٹی کے روپے کا سوال تو میرا مخبر تمام کاغذات شاہ جی یا مولانا غلام غوث (ہزاروی) کو دکھانے کے لیے تیار ہے، اس کے سوا وہ کسی کو بھی کوئی کاغذ دکھانے کے حق میں نہیں ہے، وہ سب کو ناقابل اعتبار سمجھتا ہے۔ وہ ایک سرکاری ملازم ہے۔ میں اس کا نام بھی بتانے کو تیار نہیں، البتہ شاہ جی اور مولانا غلام غوث ہزاروی چاہیں تو وہ ان سے ملنے کو تیار ہے۔''

۲۔ جب مولانا (مظہر علی اظہر) دُھتکار کر جانے لگے تو شاہ جی نے روک لیا۔ ''مولوی صاحب آپ کہاں جا رہے ہیں، آپ تشریف رکھیں۔ آپ کے خلاف یا جماعت کے خلاف ''شورش'' کچھ چارج لگا رہا ہے۔'' مولوی صاحب رک گئے۔ میں نے ترتیب وار چارج لگانے شروع کیے۔ کانگریس کا روپیہ ساٹھ ہزار، دس ہزار کی ایک قسط، اور پچاس ہزار کی دوسری قسط اور یونی نسٹ پارٹی، ابھی فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ مولانا غلام غوث نے ایک ایک شق پر زور دیا۔ کچھ دیر تو سناٹا چھایا رہا، پھر سکوت ٹوٹا۔ مولانا (مظہر علی اظہر) نے تسلیم کیا کہ روپیہ لیا گیا ہے، لیکن اس وقت ان کے ذہن میں صحیح یاد نہیں کہ رقم کتنی ہے۔ بات صبح پر ملتوی ہوگئی۔ مجھے صاحبزادہ فیض الحسن شاہ مولانا مظہر علی اظہر کے مکان پر لے گئے۔ رات وہیں کاٹی، مولانا اس افشاء کو بُرا خیال کرتے تھے اور مضطرب بھی تھے، لیکن وہ اخفا کے حق میں تھے۔ میں نے عرض کیا، ''جب تمام لوگ آپ سے روپیہ لے چکے ہیں تو پھر وہ معصوم عن الخطا کیوں بنتے ہیں؟ رات جو گزری سو گزری صبح وہی حیث بحث (حیص بیص)۔ صاحبزادہ صاحب نے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں کہیں یہ کہہ دیا کہ ''شورش'' اپنے الزام واپس لیتا ہے۔ میں موجود نہ تھا، جب پہنچا تو مجھے حیرت ہوئی، خیر دوبارہ وہی قصہ چھڑ گیا۔ مولانا مظہر علی اظہر نے تسلیم کیا کہ روپیہ لیا گیا ہے لیکن اس کے سزاوار وہ تنہا نہیں، بلکہ باقاعدہ مشورہ

سے وہ رقم قبول کی گئی ہے۔ پہلا دس ہزار روپیہ مولانا داؤد غزنوی نے دیا تھا اور شیخ حسام الدین اس وقت موجود تھے۔ دوسری قسط بھی انہیں حضرات کے مشورے سے حاصل کی گئی یعنی شیخ حسام الدین نے مولانا حبیب الرحمٰن کو لدھیانہ میں خط لکھا کہ وہ کلکتہ میں کانگرس ہائی کمان تک پہنچیں۔ یہ خط لے کر خاقان بابر، مولانا مظہر علی کے صاحبزادے لدھیانہ پہنچے۔ مولانا حبیب الرحمٰن کلکتہ گئے۔ مولانا ابوالکلام ایک لاکھ کے لگ بھگ رقم دینے کو تیار ہو گئے، مگر سردار پٹیل نے، جو کانگریس کے خازن تھے، اس سے اختلاف کیا اور پچاس ہزار کی رقم کا چیک لالہ بھیم سین سچر کی تحویل میں دیا گیا جو ان کی معرفت دفتر احرار پہنچا۔ پھر اس رقم کی بندر بانٹ کی گئی۔ وہ رقم جو یونینسٹ پارٹی سے وصول کی گئی اور جس کو بہ اختلاف مولانا نے تسلیم کیا اور وہ رقم جو دو چار ہزار بطور چندہ فراہم کی گئی، یہ تمام مل ملا کر پچانوے ہزار بنتے تھے۔ جب مولانا مظہر علی نے بتایا کہ نواب زادہ نصر اللہ خاں کے سوا ورکنگ کمیٹی کے ہر امیدوار ممبر نے ان سے روپیہ لیا ہے تو سب نے تسلیم کیا۔ شیخ حسام الدین بھی مان گئے، ماسٹر تاج الدین نے بھی سر ہلا دیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے بھی صاد کیا۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء۔ بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغ محفل، از: شورش کاشمیری، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص: ۳۴۳ تا ۳۴۴)

قارئین کرام! اب اندازہ فرمالیں کہ احرار کے لیڈروں نے کس طرح مسلم دشمنی کر کے کانگرس سے روپیہ لے کر دوزخ شکم کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ آج جو لوگ حبیب الرحمٰن کو مجاہدِ ملت اور رئیس الاحرار کہتے نہیں تھکتے اُن سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اس نظریے اور فیصلے پر نظر ثانی کریں تا کہ قوم اِن لیڈروں کے صحیح خدوخال سے آگاہ ہو سکے۔

پاکستان کے بارے میں حبیب الرحمٰن کا رویہ ہمیشہ معاندانہ رہا۔ وہ اکثر و بیشتر پاکستان کو مغلظات سے نوازتے رہے۔ ان کے چند ایک گوہر پارے ملاحظہ ہوں۔

"میری سمجھ میں اگر پاکستان آ بھی جائے تو میں فوراً لیگ میں چلا جاؤں،

لیکن میں پاکستان قبول کرنے میں مسلمانانِ ہند کی ذلت آمیز موت دیکھ رہا ہوں۔"
"میری اور میرے ساتھیوں کی یہ قطعی رائے ہے کہ نظریہ پاکستان کی مخالفت کی جائے۔"

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، از: چوہدری حبیب احمد، لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۵۷۴، ۵۷۵)

اب گاندھی جی کے نام حبیب الرحمٰن کا ایک خط پڑھئے اور پاکستان دشمنی ملاحظہ فرمایئے اور خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے:

"حبیب روڈ۔ شفاعت منزل لدھیانہ

۱۴ اگست ۱۹۷۵ء

محترمی مہاتما جی۔ خدا آپ کو سلامت رکھے، جن دعاؤں کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، وہ دوسرے پرچے میں ارسال ہیں۔

کل آپ کا بیان پڑھا۔ آپ مسٹر جناح کو پھر پاکستان دینے کو تیار ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کو جناح صاحب سے گجراتی ہم وطن ہونے کی وجہ سے بہت محبت ہے۔ اس لیے آپ ان کو بھول نہیں سکتے اور ہمیشہ ان کو سربلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی غلط ہوں۔ آپ کے اس شریفانہ طریقہ کار نے رجعت پسند طاقتوں کو مضبوط کر دیا۔

جب سے پاکستان کا ریزولیشن مسلم لیگ نے منظور کیا ہے اسی وقت سے آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر مسلمان چاہیں تو ان کو پاکستان دیا جائیگا۔ میں اسی وقت سے آپ کے ان فقروں کا یہ مطلب خیال کرتا ہوں (یقین نہیں) آپ چاہتے ہیں کہ مسلمان صوبے الگ ہو جائیں اور ہندو سات صوبوں کی گورنمنٹ بن سکے تا کہ مسلمانوں کے مطالبات کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ حالات کی مجبوری نے آپ کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے۔ خدائے پاک ہم سب کو صحیح سوچنے اور سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اخبار کا کٹنگ بھی آپ کو بھیج رہا ہوں۔"

لیجئے! ایک اور خط ملاحظہ فرمایئے جو حبیب الرحمٰن نے پنڈت نہرو کو لکھا تھا۔ اس خط میں اپنی محرومیوں کا رونا رویا ہے کانگرس کے مسلم لیگ کے ساتھ مثبت رویے کو نشانہ سب دشتم بنایا ہے۔ کانگرس کی احرار اور جمعیت علمائے ہند کی طرف عدم توجہ کا گلہ کیا ہے پاکستان دشمنی کا بڑے عجیب طریقے سے مظاہرہ کیا ہے، بہ الفاظ دیگر اپنے دل کی بات صفحہ قرطاس پر بکھیر کر اپنے بغض اور عناد کا خوب مظاہرہ کیا ہے۔

حبیب روڈ شفاعت منزل لدھیانہ

۲۳ اگست ۱۹۴۵ء

محترم پنڈت جی!

تسلیم!

آپ نے اپنی کتاب ''میری کہانی'' میں لکھا ہے کہ نیشنلسٹ مسلمان آہستہ آہستہ ختم ہو گئے۔ مگر آپ نے کبھی غور کیا کہ ان کو کس نے ختم کیا۔ میرے نزدیک مہاتما گاندھی اور آپ نے سب سے زیادہ خدمت انجام دی ہے اور راجہ جی نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ آپ نے مسلم لیگ اور رُجعت پسند طاقتوں کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھ کر ہمیشہ ان سے بات چیت کی اور مسلم لیگ کی پارٹیوں میں شامل ہوئے جس کی بنا پر عام مسلمان اور حکومت یہ سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ مسلمانوں کی نمائندہ مسلم لیگ ہے۔ جمعیت علماء، مجلس احرار اور آزاد خیال مسلمان نہیں ہیں۔ حافظ ابراہیم صاحب کے الیکشن میں آپ نے ہم لوگوں کو بلوایا اور کامیابی کے بعد نواب اسماعیل خاں کے جواب میں آپ نے لکھا کہ انتخاب میں جو سخت کلامی یا بدزبانی ہوئی ہے وہ احرار اور جمعیت کے کارکنوں کی ہے، گویا یہ کانگریس کی خدمت کرنے کا انعام تھا جو آپ نے ہمیں دیا تھا۔ اسی طرح جب لکھنؤ کانگریس کے مشورے سے حافظ ابراہیم کا جلوس کامیاب کرانے کے لیے احرار والنٹیر اور کارکن جس میں میں بھی شریک تھا، کانپور گئے تو وہاں مسلم لیگ کی طرف سے حافظ

ابراہیم کے جلوس پر پتھروں کی بارش اور لاٹھیاں برسائی گئیں، اور حالات یہ ہو گئے کہ حافظ صاحب اور میں شاید قتل ہو جاتے، تب احرار والنٹیر وں نے حافظ صاحب اور میری جان بچائی اور وہ خوب پٹے اور زخمی ہوئے مگر ہوا یہ کہ احرار والنٹیر گرفتار ہوئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کانپور نے بیان دیا کہ احرار و لیگ کا فساد ہو گیا۔ اس طرح گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ لیگی والنٹیر وں کی ضمانت اسی دن لے لی گئی اور احرار کی آٹھ دن بعد۔ اس قسم کی دس بارہ مثالیں صرف یو۔پی گورنمنٹ کی ہیں جو آپ کو بتا سکتا ہوں۔

شملے میں تو آپ نے مسلم لیگ کو صرف پانچ سیٹیں دینا منظور نہ کیں، مگر واردھا جا کر گاندھی جی نے یہ بیان دے دیا کہ پاکستان کی پیشکش ابھی تک منظور ہے۔ اس کہنے کا شملہ کانفرنس کے بعد مطلب ہے کہ کانگریس کے ہندو لیڈر پاکستان دینے کو تیار ہیں اور اگر مخالف ہیں تو حبیب الرحمٰن سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک۔ آپ کشمیر پہنچتے ہی نواب ممدوٹ، صدر مسلم لیگ پنجاب اور نواب دولتانہ سیکرٹری مسلم لیگ پنجاب کی دعوت پر مسلم لیگ کی پارٹی یعنی عصرانہ میں شامل ہوئے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مولانا آزاد پر کشمیر میں جوتوں اور پتھروں کی بارش کرائی ان کو آپ نے عزت بخشی۔ آپ نے ان کے اس کہنے کو سچا کر دیا کہ کانگریس کے ہندو لیڈروں کی پوری عظمت مسلم لیگیوں کے دل میں ہے۔ البتہ کانگریسی مسلمانوں کیلئے ہمارے دل میں کوئی جگہ نہیں۔ سینکڑوں مسلمان میرے دوست یہ کہتے ہیں کہ جب پنڈت جواہر لال نہرو اور گاندھی جی لیگی لیڈروں کی عزت کرتے ہیں تو احرار، جمعیت علماء اور آزاد خیال مسلمان ان کے کیوں خلاف ہیں۔ مسلم لیگی دوست اس کہنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ سمجھوتے کے وقت آزاد خیال مسلم جماعتوں کو پنڈت نہرو بھی نہیں پوچھتے۔ آپ میاں افتخار الدین کے یہاں ٹھہریں گے جو کمیونسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم لیگی بھی ہیں۔ اور شاید انہیں کے کہنے پر مسلم لیگ کی پارٹی میں آپ شامل ہوئے تھے۔ اس طریقۂ کار نے کانگریس اور ملک کو جو

نقصان پہنچایا ہے اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔

پنڈت جی! آپ جانتے ہیں کہ ہمیں کانگریس یا آپ لوگوں سے نہ لالچ ہے نہ غرض (گزشتہ صفحات میں کانگریس سے روپیہ لینے کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ مؤلف) جو مسلمان آج ہمارے مخالف ہیں وہ ہمارے پاؤں چومتے ہیں۔ اب بھی ہماری عزت کرنے کو تیار ہیں۔ ان کا ہم سے صرف ایک مطالبہ ہے کہ کانگریس کے معاملہ میں خاموش ہو جائیں۔ ہم نے آج تک کانگریس کا ساتھ دیا ہے وہ ہندوستان کی آزادی اور ملک کی عزت کے لیے ہے (گویا مسلم لیگ کا ساتھ دینا ہندوستان کی غلامی اور بے عزتی کے مترادف تھا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ، مؤلف)

ہم نے ملک کی آزادی کی محبت میں عزت، آبرو، مال سب کچھ قربان کر دیا ہے، کاش کانگریسی لیڈروں کے دل میں اس کا احساس ہوتا۔ (بھلا کرایہ کے لیڈروں کو بھی کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ مؤلف) مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا ہمارے ساتھ طریقۂ کار ایک سیاستدا کا سا ہے ایک محبِ وطن کا نہیں ہے۔ آپ میاں افتخار الدین قسم کے مسلمانوں کے دوست ہیں جو خود بھی مسلم لیگی ہیں۔ آپ کا یہ حال ہے کہ مسلم لیگی لیڈروں سے ملے بغیر چل نہیں سکتے۔

(ذرا مولانا کی مسلم لیگ دشمنی پر غور فرمایئے۔ مؤلف)

جب ملک خضر حیات نے پنجاب میں مسٹر جناح اور مسلم لیگ کو ختم کر دیا تو گاندھی جی نے "بھائی جناح" لکھ کر مسلم لیگ کو زندہ کر دیا۔ اگر ملک کی آزادی کی محبت ہمارے دل میں نہ ہو تو سچ کہتا ہوں کہ آپ کا طرز عمل ایک منٹ کے لیے بھی کانگریس میں کام کرنیکی اجازت نہیں دیتا۔ آپ کا فرض تو یہ تھا کہ پنجاب کا مسلم لیگی لیڈر آپ کے پاس آتا تو آپ اس سے کہتے کہ جو بات کرنی ہو وہ مولانا داؤد غزنوی اور حبیب الرحمٰن سے جا کر کرو۔ اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو آج آپ کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا کہ کانگریس میں تلاش کرنے سے بھی مسلمان نہیں ملتا۔ (اے کاش

مولانا کو معلوم ہوتا کہ مسلمان کانگریس کی عیاری اور آپ کی ملت فروشی کے سبب مسلم لیگ سے وابستہ ہو چکے تھے۔ان پر آپ حضرات کا غدارانہ کردار واضح ہو چکا تھا۔لہٰذا وہ کانگریس کو چھوڑ کر سوادِ اعظم کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور آپ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔) (مؤلف)

آپ کا مخلص

حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۲۳، اگست ۱۹۴۵ء

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص:۵۶۶ تا ۵۶۹)

حبیب الرحمٰن اور اُن کے خاندان کی ہندو نوازی اور مسلم دشمنی کی بنا پر ہی ظفر علی خاں نے "لدھیانہ" کے عنوان سے ایک نظم کہی تھی، پڑھیئے اور سر دُھنیئے:۔

سنتا ہوں مرکز علماء لدھیانہ ہے
جس کی گلی گلی میں انہیں کا فسانہ ہے

لیکن یہ کیا کہ نغمۂ توحید کی بجائے
ان کی زبان پہ برہمنوں کا ترانہ ہے

گر بام خانہ ہے تو کلس سومنات کا
اور ہردوار اُن کے لیے صحن خانہ ہے

ہیں سیم وزر سے مصلحتیں ان کی ہم کنار
جن کا کفیل گاندھیوں کا خزانہ ہے

صورت تو مومنانہ ہے بیشک حضور کی
سیرت کا گوشہ گوشہ مگر ہندوانہ ہے

بڑھنے لگی ہے اب جو مسلماں سے رسم وراہ
شدھی کا ہو نہ ہو یہ نیا شاخسانہ ہے

کیوں آستانِ غیر پہ اس کو جھکاؤں میں
یارب یہ سر ہے اور تیرا آستانہ ہے

اے برق کیا مجھے تری چشمک زنی سے خوف
برتر زشاخِ سدرہ مرا آشیانہ ہے

جب ہم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلام ہیں
کیا غم اگر خلاف ہمارے زمانہ ہے

(چمنستان، ص:۱۹۷)

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو اکثر احراری لیڈر مثلاً عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین، حاجی محمد اسحٰق حنیف وغیرہ پاکستان آ گئے۔ لیکن حبیب الرحمٰن ہندوستان میں ہی رہے، البتہ لدھیانہ سے دہلی منتقل ہو گئے اور

کوچۂ رحمان کے ایک مکان میں رہنے لگے۔ پاکستان نہ آنے کی وجہ اُن کے صاحبزادے عزیز الرحمٰن کی زبانی سنیئے:

"ملی جلی زندگی کے جو خواب انہوں نے دیکھے تھے، وہ پاکستان میں کیا پورے ہوتے۔ اس خواب کی تعبیر اگر ہو سکتی تھی تو ہندوستان ہی میں ہو سکتی تھی۔ اِس لیے وہ دِلّی آ گئے۔" (جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین، ص:۱۵)

تقسیم برصغیر کے بعد مولانا نے ہندوستان کے متعلق یوں اظہار خیال کیا:

"اُن کا نظریہ ہے کہ ہندوستان میں تمام لوگ بغیر تفریق مذہب وملت صرف اس بنیاد پر کام کریں کہ وہ ہندوستانی ہیں اور ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے وطن کی تعمیر کریں۔ مذہبی بنیادوں پر ملکی مسائل کا حل نہ ہو۔"

(جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین، ص:۲۳)

قارئین کرام خود اندازہ فرمائیں کہ پاکستان بننے کے بعد بھی حبیب الرحمٰن پاکستان دشمنی کو ختم نہ کر سکے، بلکہ دہلی میں رہائش پذیر ہو کر ان پر سیکولرازم کا غلبہ بڑھتا گیا، متحدہ قومیت کا نشہ چڑھتا گیا اور وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے مزید دور ہو کر لا مذہبیت کا درس دیتے رہے، جو ایک عالم دین کی شان کے خلاف ہے۔ مگر چونکہ ان لوگوں کی رگوں میں مسلمان خون کے بجائے کانگریسی روپیہ پیسہ دوڑ رہا تھا لہٰذا وہ ہندوؤں کو کیسے ناراض کر لیتے، ان کی دنیاوی فلاح اسی میں ہی مضمر تھی کہ وہ ہندوؤں کے گیت گاتے رہیں۔

۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کو حبیب الرحمٰن کا دہلی میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

(جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص:۴۱۵۔ جنگ آزادی کے مجاہدین ص:۱۷۔ جانباز مرزا، روئیداد جشن دیوبند، لاہور ۱۹۸۰ء، ص:۷۳)

مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری

عطاء اللہ شاہ بخاری کی ولادت یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۱ء) کو پٹنہ میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام سید ضیاء الدین احمد تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت مولانا نور احمد امرتسری، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی امرتسری، مفتی محمد حسن امرتسری اور مولانا حبیب الرحمٰن مکی سے تکمیل کی۔

(شورش کاشمیری، عطاء اللہ شاہ بخاری، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص: ۴۲، ۴۴)

شاہ جی نے تحریک خلافت، ترک موالات و دیگر تحریکوں اور تنظیموں میں کام کیا لیکن ان کی شہرت کی معراج مجلس احرار تھی، جس کے پلیٹ فارم سے وہ ایک کامیاب و مقبولِ عام مقرر کی حیثیت سے ابھرے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ شاہ جی کے نظریات سواد اعظم سے ہٹ کر کانگریس سے ملتے تھے اور کانگریس کی حمایت میں انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ شاہ جی نے قائد اعظم، مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی جی بھر کر مخالفت کی۔ ان کی جادو بیانی اور خوش الحانی کانگریس کے پلڑے میں ہی رہی اور مسلم لیگ ان کے نزدیک قابل گردن زدنی رہی۔ ان کی پاکستان دشمنی کے چند ایک واقعات درج ذیل ہیں۔ پڑھیے اور سر پیٹیے:

سور:

امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے شاہ جی نے مسلم لیگ کے متعلق یوں ارشاد کیا:

"جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سور ہیں اور سور کھانے والے ہیں۔"

(چمنستان، از: ظفر علی خاں، مطبوعہ: لاہور، ۱۹۴۴ء، ص: ۱۶۵)

ایک اور مقام پر شاہ جی کے منہ سے اس طرح پھول جھڑتے ہیں:

"پاکستان کے بارے میں پورے تین مہینوں تک پنجاب میں میں نے جس

جگہ بھی تقریریں کی ہیں پاکستان کو مسلمانانِ ہندوستان کے لیے مہلک بلکہ ہلاکت آفرین اور فلاکت خیز بتایا ہے اور دلائل سے یہ باتیں ثابت کی ہیں۔ میری سمجھ میں تو پاکستان کے حق میں کوئی دلیل بھی نہیں آئی۔"

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، مطبوعہ: لاہور، ۱۹۶۶ء، ص:۵۹۶)

پسرور احرار کانفرنس ۱۹۴۶ء میں شاہ جی نے فرمایا:

"پاکستان کا بننا تو بڑی بات ہے، کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی "پ" بھی بنا سکے۔"

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص:۸۸۳)

ایک اور موقع پر یہ کہا:

"ان لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ وہ اب بھی پاکستان کا نام جپتے ہیں۔ سچ ہے پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ ہائی کمان ایک سپیرا ہے۔"

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص:۸۸۳،۸۸۴)

علی پور احرار کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شاہ جی نے یوں گوہر افشا فرمائی:

"مسلم لیگ کے لیڈر "بے عملوں کی ٹولی" ہیں جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں اور جو دوسروں کی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں اور وہ جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں بلکہ خاکستان ہے"۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ۱۹۵۳ء، ص:۲۷۴،۲۷۵)

لاہور میں دوران تقریر شاہ جی گویا ہوئے:

پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ۱۹۵۳ء، ص:۲۷۴،۲۷۵)

تحریک پاکستان میں شاہ جی کے کردار کے بارے میں پیام شاہجہانپوری یوں رقمطراز ہیں: غور سے پڑھیے اور شاہ جی کی پاکستان دشمنی کی داد دیجئے۔

"مجلس احرار کے سب سے بڑے قائد و رہنما مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ جن کی خطابت اور شعلہ بیانی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ان کا مسلمان عوام پر بڑا اثر تھا اور مسلمانوں کے دینی و سیاسی حلقوں میں، انہیں نہایت عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا مگر تحریک پاکستان میں انہوں نے جو کردار ادا کیا وہ نہایت افسوس ناک تھا۔ اور اس کردار نے مسلمان عوام میں ان کی عزت و تکریم کم کر دی۔ شاہ صاحب...... موصوف نے پاکستان کی مخالفت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا اور اس مقصد کے لیے نہ صرف پنجاب کے بلکہ ملک گیر دورے کیے اور مسلمانوں کو پاکستان کی نہایت ہیبت ناک تصویر دکھا کر انہیں اس تصور سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کی

(تاریخ نظریہ پاکستان، از: پیام شاہجہانپوری لاہور، ۱۹۷۰ء، ص: ۳۹۹)

شاہ جی نے پاکستان کی جو ہیبت ناک اور خوفناک تصویر عوام کے سامنے پیش کی اس کا ایک نمونہ سید رئیس احمد جعفری کے الفاظ میں سنئے:

"۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء کی شب کو بمبئی کے مجلس احرار کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے عطاء اللہ شاہ بخاری نے فرمایا:

"پاکستان کے دونوں اجزاء ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں گے اور ان کے درمیان ۲۶ کروڑ ہندوؤں کی ایک زبردست حکومت ہوگی، جس کے پاس سرمایہ ہوگا، ہنرمند اور صاحب دماغ آدمی ہوں گے، جواہر لال ہوگا، گاندھی جی مہاراج ہوں گے، کالا ناگ راج گوپال اچاریہ ہوگا۔ (یہاں آپ اس بات پر غور فرمائیں کہ شاہ جی نے گاندھی جی کو "مہاراج" اور راج گوپال اچاریہ کو "کالا ناگ" کیوں قرار دیا؟ اس لیے کہ کانگرس میں راج گوپال اچاریہ پہلا شخص تھا جس نے اپنی جماعت کو مشورہ دیا تھا کہ اسے پاکستان کا مطالبہ تسلیم کر لینا چاہیے) مالوی جی ہوں گے، برخلاف اس کے

بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد کے مسلمان زیادہ تر کمیں ہیں۔ یعنی لوہار، موچی بڑھئی، کسان مزدور حتیٰ کہ پنجاب کے بعض علاقوں میں مسلمان بھنگی کا کام کرتے ہیں۔ جو علاقے پاکستان کے لیے طلب کیے جاتے ہیں، ان میں ہندو سرمایہ دار ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، تجارت پر ان کا قبضہ ہے۔ پشاور والوں کو شلوار کے لیے لٹھہ امرتسر کی منڈی سے خریدنا پڑتا ہے۔''

(قائداعظم اوران کا عہد، از: رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۶ء، ص: ۳۸۳)

شاہ جی کی اس دلخراش اور جگر پاش تقریر پر جناب رئیس احمد جعفری کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

''یہ خیالات ایک عالمِ دین کے ہیں جو سرمایہ داری سے مرعوب ہے اور مسلمانوں کو ''کمیں'' کہہ کر اسلام کی توہین کر رہا ہے۔ یہ اس مذہب کا ''عالم'' ہے جس کے داعی نے فرمایا تھا۔ ''اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ'' یہ اُس قوم کا فرد ہے جس کے شتربانوں نے ایران اور روم کی شہنشاہتیں الٹ دی تھیں۔ اس استدلال کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوا کہ مسلمان ''غریب'' ہیں ''کمیں'' ہیں، لہٰذا وہ اپنے ہندو آقاؤں کی سرپرستی میں زندگی بسر کریں ورنہ وہ کچل کر رکھ دیئے جائیں گے، تباہ و برباد کر دیے جائیں گے۔ تعجب ہے جس قوم کے بعض رہنما تک ''احساسِ کمتری'' کے اس مرض مبتلا ہیں وہ پھر بھی اتنی حساس اور خوددار ہے کہ پاکستان لینے پر تلی ہوئی ہے۔''

(قائداعظم اوراُن کا عہد، ص: ۳۸۳)

تاریخ شاہد ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء نے تحریک پاکستان میں جو کردار ادا کیا اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ شاہ جی طلباء کے اس پاکستان بلکہ اسلام دوست کردار سے سخت نالاں تھے۔ چنانچہ انہوں نے طلباء پر ایک نہایت ناپاک، غلط اور تمام تر دروغ الزام ایک تقریر میں لگایا جو قوم پرور اخبارات ''زمزم'' لاہور اور ''ہند'' کلکتہ نے بڑی اہمیت کے ساتھ شائع کیا۔ اس تقریر میں شاہ جی نے سرسید کو بھی لپیٹ

لیا۔ ملاحظہ ہو:

"سرسید کی اولاد جو علی گڑھ کے زیر سایہ پل رہی ہے ان نوجوانوں میں ایسے برخوردار بھی تھے جنہوں نے مولانا ابوالکلام کے ڈبہ میں داخل ہو کر اپنی پتلونیں اتاری دیں اور اپنی شرمگاہوں کا مظاہرہ کیا۔ مولانا حسین احمد مدنی جیسے عالم دین کی بے حرمتی کرنے میں سرسید احمد کی اولاد یہاں تک چلی گئی کہ ان کی ٹوپی جلادی گئی، انکی نورانی داڑھی میں شراب کی بوتل انڈیل کر اپنے اخلاق کی انتہائی پستی کا ثبوت دیا۔"

مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے اخبار "صدق" مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۵ء میں اس انداز گفتگو پر تنقید کرتے ہوئے لکھا:

"جس تقریر دلپذیر کا یہ نمونہ درج ہوا ہے اس کے معنوی جواہر ریزوں سے قطع نظر کر لیجئے۔ اسے بھی جانے دیجئے کہ جس وقت

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝

کی تکمیل حکم کی بابت پرسش ہو رہی ہو گی اس وقت اس خطیب اعظم کے پاس کیا جواب ہو گا۔ یہاں داد صرف اس کی دیجئے ...... کہ اردو میں ایک نئی گالی خوب ہاتھ آ گئی "سرسید کی اولاد" بچہ شمر" "اولادِ یزید" "ذریت شیطان" "ابلیس کے قبیلہ" کے الفاظ کو مبارک ہو کہ انہیں ایک نیا ساتھی "سرسید کی اولاد" شاہ صاحب کی عنایت سے خوب مل گیا۔" (قائداعظم اور ان کا عہد، ص: ۳۸۱، ۳۸۲)

مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں شاہ جی اور ان کی مجلس احرار نے جو کارنامے انجام دیئے تھے ان کی داد ظفر علی خاں کے خامہ بہار آفریں نے یوں دی تھی:

اللہ کے قانون کی پہچان سے بیزار
اسلام اور ایمان اور احسان سے بیزار
ناموسِ پیمبر کے نگہبان سے بیزار
کافر سے موالات مسلمان سے بیزار
اِس اسلام پر ہے یہ دعویٰ کہ ہیں اسلام کے احرار
احرار کہاں کے یہ ہیں اسلام کے غدار
پنجاب کے احرار اسلام کے غدار

کھاتا ہے مسلماں کوئی سینہ میں جو گولی　　گالی اسے دیتی ہے یہ احرار کی ٹولی
اسلامیوں کے خون سے چلے کھیلنے ہولی　　احرار کو پھر آج سے کیوں لکھیے نہ اشرار

پنجاب کے احرار اسلام کے غدار

سُوجھی شہدا پر انہیں مردار کی پھبتی!　　سکھوں کی یہ پھبتی ہے نہ سرکار کی پھبتی!
توحید کے بیٹوں پہ ہے احرار کی پھبتی!　　گمراہ ہیں خود اور ہمیں کہتے ہیں غلط کار

پنجاب کے احرار اسلام کے غدار

اللہ کے گھر کو کوئی ڈھا دے تو یہ خوش ہیں　　مسجد کا نشاں کوئی مٹا دے تو یہ خوش ہیں
مسلم کا کوئی خون بہا دے تو یہ خوش ہیں　　لاہور میں آثار قیامت ہیں نمودار

پنجاب کے احرار اسلام کے غدار

مردانِ مجاہد سے جو اس طرح کٹے ہیں　　اللہ کے رستہ سے جو اس طرح ہٹے ہیں
اسلام کی فوجوں کے مقابل جو ڈٹے ہیں　　پھر کیوں نہ یہ کمبخت ہوں رُسوا سرِ بازار

پنجاب کے احرار اسلام کے غدار

قائداعظم اور ان کا عہد، ص: ۲۸۶،۲۸۵)

شہید گنج کا ذکر چلا تو لگے ہاتھوں مشہور صحافی مولوی محمد سعید کی زبانی بھی کچھ باتیں سن لیجیے اور شاہ جی اور ان کے ساتھیوں کے دردار کی داد دیجیے۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں:

"۹ جولائی ۱۹۳۵ء کا دن شہید گنج کے پرستاروں کے لیے قیامت کا دن تھا۔ لاہور کے دلی دروازہ کے باہر محلہ دارا شکوہ پر مسلمانوں کی یورش ہو رہی تھی۔ ناکہ خاردار تاروں سے بند تھا۔ کوتوالی کی برجیوں پر گورا فوج ہتھیار نصب کیے بیٹھی تھی۔ جوانانِ لاہور چھاتیاں کھولے موجوں کی صورت میں آگے بڑھتے جاتے اور موت کے گھاٹ اترتے جاتے۔ یہ خبر مجھے احرار کے جلسہ میں ملی۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے کے وقت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پسرور کی سرکلر روڈ پر کاشانہ میں ان کا قیام تھا۔ کھانے سے فارغ

ہوئے ہی تھے کہ میں نے سلام عرض کیا۔ آموں کی گٹھلیاں جس مقدار میں موجود تھیں اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ کھانا بڑی رغبت سے تناول کیا گیا ہے۔ میں نے جاتے ہی پوچھا۔ کیا لاہور میں جو گولی چل رہی ہے اس کی ذمہ داری کس پر ہے“؟ سید صاحب کچھ نہیں کہہ پائے تھے کہ مولانا لدھیانوی نے گرج کر کہا: ”جاؤ کرم آباد، ظفر علی خاں سے پوچھو“ (مولانا ظفر علی خاں اس وقت اپنے آبائی گاؤں کرم آباد میں نظر بند تھے) پیشتر اس سے کہ میں کچھ اور عرض کرنے کی جسارت کرتا۔ شاہ صاحب نے مجھے اپنی ساتھ چارپائی پر بٹھالیا۔ بڑی شفقت سے خیر و عافیت پوچھی۔ میرے جذبے کو سراہا اور پھر کسی قدر جوش میں آ کر پوچھا! ”اگر پنجاب میں خانہ جنگی چھڑ گئی تو تیار ہو“؟ مجھے معلوم تھا کہ سوال جواب کے لیے نہیں پوچھا گیا۔ میں خاموش رہا۔ پھر خود ہی کہنے لگے: آج ہی لاہور جا کے عورتوں کے برقعے اتروا سکتا ہوں، لیکن اگر پنجاب میں خون کی ندیاں بہہ نکلیں تو کون ذمہ دار ہوگا۔؟ اس گفتگو سے میں نے محسوس کیا کہ احرار اس ولدل میں پھنسنا نہیں چاہتے اور کشت و خون کا سارا الزام ظفر علی خاں کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔

(آہنگ بازگشت، از: مولوی محمد سعید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۹ء، ص: ۹۷، ۹۸)

شاہ جی نے ارشاد فرمایا کہ ”شہید گنج مسجد ضرار ہے“ جب عوام میں مقبولیت ختم ہوتی نظر آئی تو پھر ایجی ٹیشن شروع کر دیا اور کہا کہ شہید گنج کے گنبد پر جو گینتی پڑتی ہے وہ بخاری کے سینے پر پڑتی ہے۔ جتھے بھیجنے شروع کیے، گرفتاریاں پیش کی گئی، لیکن یہ بے وقت کی راگنی تھی۔ نہ گانے والے کو لذت آئی اور نہ سننے والوں کو۔ سر فضل حسین انتخابات سے قبل ہی انتقال کر گئے۔ احرار چونکہ مسجد شہید گنج سے دامن بچا کر اسی میدان میں اترنا چاہتے تھے، اسلیے شاہ جی نے ان کے انتقال پر بڑے رقیبانہ انداز میں کہا: ”فضل حسین جاتے جاتے شہید گنج کی دیوار ہم پر گرا گئے ہیں۔“

(آہنگ بازگشت، ص: ۹۹)

شاہ جی نے دل کھول کر پاکستان کی مخالفت کی اور قیامِ پاکستان کے بعد بھی مخالفت کا برملا اظہار فرماتے رہے۔ ۲۱ اگست ۱۹۵۱ء کو لاہور موچی دروازہ کے باغ

میں جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد کیا:

"یہ ٹھیک ہے کہ ہم نے پاکستان کی مخالفت کی، لیکن جو کچھ کیا اور جو کچھ صحیح سمجھا وہی کچھ کیا۔ ہمارا ضمیر اس وقت بھی مطمئن تھا اور آج بھی شرمندہ نہیں ہیں۔"

(حیات امیر شریعت، از: جانباز مرزا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۶ء، ص: ۳۴۸)

۸ـ۹ دسمبر ۱۹۴۵ء کو لاہور میں پنجاب پراونشل احرار کانفرنس کا صوبائی انتخابی اجلاس شیخ حسام الدین صدر آل انڈیا احرار کی صدارت میں بیرون دہلی دروازہ ہوا جس کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا:

"نعرۂ پاکستان مسلم لیگ کا انتخابی سٹنٹ ہے جو محض انتخاب جیتنے کے لیے سرمایہ داروں، سروں، خان بہادروں و غیر ملکی حکومت کے پٹھوؤں نے، جن کو دراصل اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایجاد کیا ہے۔"

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا:

"میں آج اس اسٹیج سے اعلان کرتا ہوں کہ ہندوستان میں نہ پاکستان بن سکتا ہے، نہ حکومت الٰہیہ کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ جو پاکستان کے نام پر یا حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگا کر مسلمانوں سے ووٹ کی بھیک مانگتا ہے وہ انہیں گمراہ کرتا ہے۔"

(کاروان احرار، جلد: ششم، از: جانباز مرزا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۲ء، ص: ۳۸۹)

لالچ:

شاہ جی کو قدرت نے بڑی فیاضی سے ملکۂ خطابت ارزانی فرمایا تھا لیکن انہوں نے خطابت و تقریر کی تمام صلاحیتوں کو مسلم مفاد کے خلاف استعمال کیا اور وہ بھی محض چند ٹکوں کے لالچ میں۔ ایک دفعہ دوران تقریر شاہ جی سے کسی نے سوال کیا۔

"شاہ جی! جناح سے آپ کا اختلاف کیا ہے۔"؟

فرمایا: کوئی نہیں

وہ: تو پھر ایک کیوں نہیں ہو جاتے؟

شاہ جی۔ بھائی میں تو اُن کی کفش برداری کو تیار ہوں لیکن میرے ذہن میں بعض کانٹے ہیں۔ وہ (قائداعظم) یا فرمائیں تو سر کے بل جاؤں گا۔ سمجھا دیا تو وہ آرام سے بیٹھیں اُن کی لڑائی خود لڑوں گا۔ لیکن وہ ہم سے بات نہیں کرتے، صرف بیعت چاہتے ہیں۔

مجمع دیہاتی تھا۔ قائداعظم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

بری گھگھری نوں گھنگر دلوا دے

جے تو میری ٹور ویکھنی!

(سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شورش کاشمیری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۸ء، ص:۲۸۹)

شاہ جی کی زبان فیض ترجمان سے آپ نے گھگھری کو گھنگرو دلوانے کی بات سنی تو اب اس پر ادیب شہیر سید نور محمد قادری کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیے: وہ لکھتے ہیں کہ

"اصل میں مسلم لیگ سے شاہ صاحب اور ان کے ہم خیال و ہم فکر علماء کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ وہ ان کی گھگھری میں گھنگر دلوا دیں جو وہ اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے نہ کر سکی۔ اس کے مقابلہ میں برلا اور ٹاٹا کی بے پناہ دولت تھی جو نہ صرف چاندی بلکہ سونے کے گھنگرو تک شاہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کی گھگھریوں میں لگوا سکتے تھے، بلکہ انہوں نے لگوا بھی دیئے۔ اس واقعہ کا راوی کوئی ایرا غیرا نہیں بلکہ شاہ صاحب کے غالی عقیدت مند مشہور اہل قلم اور خطیب شورش کاشمیری ہیں۔

(اقبال کے دینی و سیاسی افکار، از: سید نور محمد قادری، مطبوعہ گجرات، ۱۹۸۲ء، ص:۱۳۵)

مشہور اہل قلم "خواجہ افتخار" شاہ جی کی پاکستان دشمنی کے بارے یوں رقمطراز ہیں کہ "جن نیشنلسٹ مسلمانوں بالخصوص سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین اور غازی عبدالرحمٰن وغیرہ نے پاکستان کے مطالبے کی بھرپور مخالفت کی تھی اور جو ہندوؤں سکھوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں مسلمانوں کی بھلائی پر یقین رکھتے تھے اور پاکستان کے مطالبے کی مخالفت میں اپنا زور بیان صرف کر رہے تھے۔ جب

پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا تو انہی ہندوؤں سکھوں نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین اور غازی عبدالرحمٰن کا امرتسر میں جینا دوبھر کر دیا۔ اور ہندوؤں سکھوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کا درس دینے والے یہ تینوں بزرگ جس طرح ہندوؤں سکھوں سے اپنی جانیں بچا کر امرتسر سے بھاگ کر پاکستان آئے وہ ہندوؤں سکھوں کی مسلم دشمنی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

(جب امرتسر جل رہا تھا، از: خواجہ افتخار، مطبوعہ: لاہور، طبع سوم، اگست ۱۹۸۲ء، ص: ۵۱)

شاہ جی نے تحریک پاکستان کے خلاف جو کچھ کیا وہ مختصراً قارئین کے پیش کر دیا گیا ہے۔ آپ حضرات خود اندازہ لگالیں کہ شاہ جی نے پاکستان کے خلاف کیا کچھ نہ کیا۔ شاہ جی کے ان کارناموں کی وجہ سے پنجاب تقسیم ہوا۔ اگر مجلس احرار مسلم لیگ کی مخلافت نہ کرتی، پاکستان کو خاکستان نہ گردانتی، تحریکِ پاکستان کے خلاف اپنی قوت صرف نہ کرتی تو پورا پنجاب پاکستان میں شامل ہوتا۔

شاہ جی پاکستان کی عمر بھر مخالفت کرنے کے بعد ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو ملتان میں رحلت فرما گئے اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

(بیس بڑے مسلمان، از: عبدالرشید ارشد، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۵ء، ص: ۸۶۷۔ عطاء اللہ شاہ بخاری، از: زاہد منیر عامر، مطبوعہ فیصل آباد، ۱۹۸۳ء، ص: ۱۲۶)

مولوی حسین احمد مدنی

حسین احمد مدنی کی ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۸۷۹ء کو بمقام بانگر مئو ضلع اناؤ میں ہوئی جہاں آپ کے والد مولانا حبیب اللہ مدرس تھے ویسے آپ کا وطن اللہ داد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد (انڈیا) ہے۔ آپ نے مشاہیر دیوبند مثلاً مولوی ذوالفقار علی، مولوی خلیل احمد سہارنپوری، مفتی عزیز الرحمن اور مولوی حبیب الرحمن عثمانی سے علمی استفادہ کیا۔

(بیس بڑے مسلمان، از: عبدالرشید ارشد، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۵ء، ص: ۴۶۲، ۴۶۴۔ نقشِ حیات، از: حسین احمد مدنی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۵ء، ص: ۲۰)

مولوی حسین احمد مدنی کی پوری زندگی اکابرین دیوبند کا مظہر تھی۔ علم و ادب آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ دیوبندی حضرات کے نزدیک زہد و تقویٰ میں آپ اپنی مثال تھے۔ سادگی اور انکساری کا مجسمہ تھے لیکن افسوس کہ سیاسی میدان میں ان کی تمام کاوشیں اور کوششیں کانگرس کی حمایت میں ہی رہیں۔ مسلم لیگ ان کے نزدیک قابل گردن زدنی رہی۔ تحریک پاکستان کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ بلکہ قیام پاکستان کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مولوی مدنی اور ان کی جمعیت علماء ہند نے جو مسلم دشمن کردار ادا کیا وہ کسی بھی چشم بینا سے مخفی نہیں ہے۔ پروفیسر چوہدری نصر اللہ خاں کے الفاظ میں ''مسلمانوں کی قیادت کی دعوے دار جماعت جمعیت علماء ہند تھی۔ چونکہ یہ جماعت قوم پرست تھی اور اس لحاظ سے کانگرس کی حاشیہ بردار جماعت تھی اس لیے اسکا مسلم لیگ سے تصادم ناگزیر تھا۔ طبقہ علماء میں یہ پرانی خوش فہمی چلی آرہی ہے کہ جو شخص صرف اور نحو پر حاوی ہو جائے وہ سمجھتا ہے کہ وہ فن سیاست پر بھی حاوی ہے۔ انہیں یہ خبر نہیں کہ قدیم یونان سے لے کر دورِ حاضر تک سیاست ایک مستقل اور مکمل فن ہے۔ جس طرح کوئی شخص محض صرف و نحو کی بنا پر ایک ڈاکٹر یا انجینئر یا جرنیل نہیں بن سکتا اسی طرح محض صرف و نحو کی بنا پر قائد اور مُدبر بننا ممکن نہیں ہے۔

دوم: اجتہاد کے دروازے بند کر دینے اور روشنی کے تمام وسائل مسدود کر دینے کے بعد یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ ایسی درسگاہ سے کوئی بین الاقوامی معیار کا صاحب بصیرت پیدا ہو۔

بایں ہمہ جمعیت علماء ہند نے قوم پرستی کا نعرہ پورے زور شور سے لگایا اور اپنا سارا زور کانگرس کے پلڑے میں ڈال دیا۔ ان بے بصیرت علمائے دیوبند کے دل و دماغ میں عجیب دوئی اور تضاد تھا جس کو وہ جامۂ جالوس میں چھپا رہے تھے۔ وہ دوہری وفاداری کے قائل تھے۔ اسلام سے وفاداری اور بطور ہندی قوم ملک ہند سے وفاداری۔ ایک ہی دل میں یہ حق و باطل دونوں کو قائم رکھنا چاہتے تھے۔ قائد اور مسلم لیگ کے بارے میں وہ داڑھی اور نماز کا پیمانہ استعمال کرتے تھے اور بزعم خویش قائد اعظم جیسے کافر اعظم کو مسلمانوں کی قیادت کا سزاوار نہیں گردانتے تھے۔ گاندھی اور نہرو تعلقات کے معاملے میں وہ اسلام کو ایک نجی معاملہ قرار دیتے تھے۔ یہ موٹی سی بات بھی ان علماء کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ متحدہ ہند میں جہاں مسلمانوں کی تعداد ایک چوتھائی کے قریب تھی، قرونِ اولیٰ کا خالص اور اصل اسلام کیسے پنپ سکتا تھا۔

ان کی صدائے بے ہنگام کا یہ عالم تھا کہ جب کفر و اسلام کی جنگ ہو رہی تھی ان کی نظر قائد کی خامیوں پر تھی، مگر کفرستان ہند کے ابوجہل اور ابولہب اِن کی آنکھ میں نہیں کھٹکتے تھے۔ کفر و اسلام کی مصالحت و شراکت پر رسول پاک ﷺ نے دائمی خط تنسیخ کھینچ کر تاکید کر دی تھی کہ حق و باطل کے درمیان شرکت کسی صورت قبول نہ کرو۔ مگر دین اسلام کے یہ اجارہ دار کفر و اسلام کی دوئی کو ہضم کر کے حق و باطل میں مفاہمت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ علامہ نے صحیح عکاسی کی ہے۔

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

اقبال نے تین بلیغ و جامع اشعار لکھ کر سرخیل دیوبند حسین احمد مدنی کا تمام علمی تبحر خاک میں ملا دیا۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) است

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

(مجلّہ "مرغزار" قائد اعظم نمبر ۱۹۷۶ء، گورنمنٹ کالج شیخوپورہ، ص: ۱۷۶ تا ۱۷۸)

ان اشعار کا پس منظر یہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں حسین احمد مدنی نے صدر بازار دہلی نزد پل بنگش ایک جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "آج کل اقوام وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں۔"

(متحدہ قومیت اور اسلام، از: مولانا حسین احمد مدنی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۵ء، ص: ۴۰)

یہ خبر سن کے اقبال نے یہ اشعار ارشاد فرمائے جو آج تک دیوبند کی چھاتی کا قابوس بنے ہوئے ہیں۔ ان اشعار کے خلاف دیوبندی حضرات نے آج تک مہم چلائی ہوئی ہے۔ حضرت علامہ کی ذات ستودہ صفات پر کیچڑ اچھالنا ان لوگوں نے اپنا وظیفہ حیات بنا لیا ہوا ہے۔ مگر ابھی تک وہ مولوی مدنی کے ماتھے سے یہ داغ دھو نہیں سکے۔ کیونکہ

کیا بنے بات جو بات بنائے نہ بنے

ماہنامہ "الرشید" ساہیوال کے "اقبال و مدنی نمبر" ماہنامہ "فیض الاسلام" راولپنڈی کے "اقبال نمبر" میں مولوی مدنی کے پیروکاروں نے علامہ کو جی بھر کر گالیاں دیں ہیں تاکہ مولوی مدنی کا کھاتہ صاف کر سکیں، مگر خاسر و نامراد رہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر جاوید اقبال کے ایک انٹرویو سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

سوال:

کیا آپ کے خیال میں قوم اور ملت میں فرق ہے؟

جواب:

جی نہیں! میری رائے میں دونوں الفاظ یکساں معنی رکھتے ہیں، البتہ تحریک

پاکستان کے مخالفین اپنی سہولت کے لیے انہیں متضاد معنی پہناتے تھے، مثال کے طور پر جمعیت علمائے ہند کے حسین احمد مدنی کہا کرتے تھے کہ قوم کا مطلب زمین ہے اور ملت کا آسمان۔ ان کا کہنا تھا کہ ہندو اور مسلمان کی قوم ایک ہے یعنی ہندوستانی، لیکن ملت مختلف ہے یعنی مذہب۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۳ اکتوبر ۱۹۸۰ء)

جو حضرات اس بحث کو تفصیل سے ملاحظہ فرمانا چاہیں وہ مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ فرما کر علامہ اقبال کی حقانیت اور حسین احمد مدنی کے غلط موقف کا منظر دیکھ لیں:

۱۔ اقبال کا آخری معرکہ، از: سید نور محمد قادری، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

۲۔ اقبال اور محبتِ رسول، از: پروفیسر محمد طاہر فاروقی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء

۳۔ اقبال کے حضور، از: سید نذیر نیازی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۱ء

۴۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ، از: محمد احمد خاں، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء

اب ہم تحریک پاکستان کی طرف آتے ہیں جس کی مخالفت میں حسین احمد مدنی نے اپنی تمام تر توانائیاں اور زہد و تقویٰ صرف کر دیا۔ مسلم لیگ سے مخالفت کا آغاز جون ۱۹۳۶ء میں لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمانی ورڈ کے اجلاس کے دوران ہوا اور پھر جمعیت علمائے ہند حسین احمد مدنی کی قیادت میں مکمل طور پر کانگریس کی گود میں چلی گئی۔ اس مخالفت کی تفصیل حضرت قائداعظم کے ساتھی مرزا ابوالحسن اصفہانی کی زبانی سنیے:

"پارلیمنٹری بورڈ کے جلسے کے دوران کئی تقریریں ہوئیں جو ہمارے تقریر کرنے کے روائتی شوق کے عین مطابق تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ پہلے روز مفتی کفایت اللہ اور حسین احمد مدنی نے مسٹر جناح کی تائید کی اور ان کی اس تحریک پر کہ مسلم لیگ کو زندہ سیاست کے اکھاڑے میں لایا جائے خوشنودی کا اظہار کیا۔ لیکن آخری روز ان دو عالموں میں سے ایک نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ انتخابات میں ایک جماعت کی

حیثیت سے مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے مؤثر اور مسلسل پروپیگنڈا کی ضرورت ہوگی، لہٰذا دیوبند اپنے تمام ذرائع لیگ کی خدمت میں پیش کر دے گا بشرطیکہ پروپیگنڈا کا خرچ لیگ برداشت کرے۔ اندازہ یہ لگایا گیا کہ شروع میں کوئی پچاس ہزار روپے درکار ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت لیگ کے صندوقچے میں پچاس تانبے کے سکے بھی نہ تھے۔ صدر اور سیکرٹری، جو دونوں اعزازی تھے، اپنے دفتر اپنے تھیلوں میں اٹھائے پھرتے تھے۔

جون ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کے پاس کوئی روپیہ نہ تھا، لہٰذا مسٹر جناح مولانا کی یہ پیشکش منظور نہ کرسکے کہ مالی امداد کی شرط پر وہ دارالعلوم دیوبند کے تمام ذرائع تبلیغ ان کے لیے وقف کر دیں گے۔ مولاناؤں کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ ہندو کانگریس کی طرف ڈھلتے گئے اور کانگریس پارٹی کے لیے پرچار کرنے لگے جو ظاہر ہے اُن کے مالی تقاضے پورے کرسکتی تھی۔ یہ میرے لیے ایک تلخ صدمے کا باعث ہوا کیونکہ مجھے یہ توقع نہ تھی کہ خود علمائے دین مسلمانوں کے راستے میں، جو اپنی قومی آزادی کی جدوجہد کر رہے تھے، حائل ہو جائیں گے۔ مجھے کبھی یہ یقین نہ آتا تھا کہ ایسے قابلِ تعظیم حضرات ذاتی اور جماعتی مفادات کو قوم کے مفادات پر مقدم رکھیں گے

(قائداعظم میری نظر میں، از: مرزا ابوالحسن اصفہانی، شاہکار ایڈیشن لاہور، ۱۹۷۶ء، ص:۱۰)

قائداعظم اور مسلم لیگ سے حسین احمد مدنی کی مخالفت اس حد تک پہنچ گئی کہ جب مشہور احراری رہنما مظہر علی اظہر نے زندگی میں پہلی مرتبہ ایک شعر کہا جو کافی مشہور ہوا:

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ قائد اعظم ہے کہ کافرِ اعظم

تو مولانا نے جھٹ اس کی تائید کردی، حالانکہ قائداعظم کی بیوی نے باقاعدہ اسلام قبول کیا تھا لیکن مظہر علی کے ساتھ ساتھ حسین احمد مدنی کو بھی اصرار تھا کہ وہ "کافرہ"

تھی۔ اور خود کانگریس کے اندر جن زعماء نے سول میرج کر کے غیر مسلم بیویوں کو زینت پہلو بنا رکھا تھا۔ مثلاً ڈاکٹر خان صاحب، مسٹر آصف علی، مسٹر ہمایوں کبیر وغیرہ اُن کے خلاف حسین احمد مدنی اور ان کے ساتھی علمائے دین بالکل خاموش تھے، بلکہ الیکشن میں انہیں کامیاب بنانے کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔

(آزادی ہند، از: رئیس احمد جعفری، مطبوعہ: لاہور، ۱۹۷۳ء، ص: ۱۵۱،۱۴۶)

حسین احمد مدنی نے دو قومی نظریہ کی ڈٹ کر مخالفت کی اور متحدہ ہندوستان کی حمایت میں یوں گوہر افشانی فرمائی:

""ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی سب شامل ہیں حاصل کرنے کے لیے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہیے۔ ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے اور اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔""

اس فتویٰ کے لیے مولانا جواز کیا لاتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

""آپ روزانہ مسجدیں غیر مسلم انجینئر سے بنواتے ہیں، غیر مسلم ڈاکٹروں سے علاج کرواتے ہیں، سینکڑوں کام روزمرہ غیر مسلموں سے کراتے ہیں، کیا یہ سب ناجائز ہیں۔""

(تاریخ نظریہ پاکستان، از: پیام شاہجہانپوری، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص: ۳۵۱)

شاید اسی صورت حال کے پیشِ نظر ظفر علی خاں نے کہا تھا:

رسول اللہ کے گھر میں یہ کیسا انقلاب آیا
کہ گاندھی جی کتیا ""عالمانِ دین" کا ڈیرا ہے
خدا ہی جانتا ہے حشر اس ٹولی کا کیا ہوگا
حرم سے جس کی بدبختی نے رُخ ملت کا پھیرا ہے

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، از: چوہدری حبیب احمد لاہور، ۱۹۶۶ء، ص: ۲۲۰)

ہندو نوازی:

حسین احمد مدنی کو قائداعظم، مسلم لیگ اور مسلم لیگ کے حمائتی مسلمانوں سے سو فیصد نفرت تھی، لیکن ہندوؤں کے لیے دیدہ و دل فرش راہ تھا۔ ان کی خدمت کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ جن کاموں کے وہ مکلّف نہیں تھے ہندوؤں کی خاطر وہ بھی کر دیتے تھے۔ احمد علی دیوبندی لاہوری روایت کرتے ہیں کہ جب مولوی مدنی آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم اسٹیشن پر شرف زیارت کے لیے گئے، حضرت کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف ضلع جھنگ دیوبند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جن کو ضرورت فراغت لاحق ہوئی۔ وہ رفع حاجت کے لیے گئے اور اُلٹے پاؤں بادل نخواستہ واپس ہوئے۔ حضرت مولانا مدنی سمجھ گئے۔ فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لے کر پاخانہ میں گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا اور ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے پاخانہ تو بالکل صاف ہے۔ نوجوان نے کہا کہ مولانا میں نے دیکھا ہے پاخانہ بالکل بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا۔ بہت متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا۔ یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے۔" (بیس بڑے مسلمان، ص: ۵۱۴ تا ۵۱۵)

اب ناظرین خود فیصلہ فرمائیں کہ مسلمانوں سے تو نفرت اور ہندوؤں کے لیے پاخانہ تک کی صفائی، یہ معاملہ کیا ہے؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

ہندو کانگرس کے ساتھ مولوی مدنی کے تعلقات اور ربط و ضبط کے متعلق جناب عبداللطیف سیٹھی نے بڑی خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ اسے بغور پڑھیں اور مولوی مدنی کی فہم و فراست کا ماتم کریں۔ جناب سیٹھی لکھتے ہیں کہ "جہاں تک انگریز کی مخالفت کا تعلق تھا مولانا صحیح تھے، لیکن جہاں تک انگریزوں کے ہندوستان چھوڑ دینے کے بعد حالات میں مسلمانوں کی پوزیشن کا تعلق ہے وہ اس مسئلہ کو ملتوی رکھنا چاہتے تھے کہ آزادی کے بعد ہندوؤں سے معاملہ کر لیا

جائے گا۔ لیکن یہاں حضرت مولانا نے سخت ٹھوکر کھائی اور مردِ مومن کی فراست کا مظاہرہ نہ کرسکے اور ناکام ہو گئے۔ کانگرس اُس وقت ہندوؤں کے فراہم کیے ہوئے سرمایہ سے بلکہ چندہ سے چلتی تھی۔ بڑے بڑے ہندو اور غیر مسلم تاجر برلا، ٹاٹا، ڈالمیا وغیرہ بھاری رقوم کا چندہ دیتے تھے۔

حقِ نمک:

کانگرس کے فنڈز سے کانگرس کے ساتھ ملحقہ سیاسی جماعتوں کو بھی روپیہ دیا جاتا تھا۔ اور اسی فنڈ سے مولانا مدنی کو، جمعیت علماء ہند کو اور ان کے اخبار "الجمعیت" کو مالی اعانت دی جاتی تھی۔ جب سیاسی تحریکات چلتی تھیں تو کانگریسی لیڈروں کے سفر و حضر کا خرچہ بھی انہیں فنڈز سے چلتا تھا۔ جب لیڈر قید ہو جاتے تھے تو اسی فنڈ سے روپیہ سیاسی قیدیوں کے گھروں میں پہنچایا جاتا تھا تاکہ تالیفِ قلوب بھی ہوتی رہے اور گھر والوں کے نان و نفقہ کا بھی بندوبست ہوتا رہے۔ نہرو کو چھوڑ کر باقی دوسرے چوٹی کے لیڈر مثلاً راجندر بابو، پٹیل، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، غفار خاں نے اپنی زندگیاں کانگرس کے لیے وقف کر رکھی تھیں۔ اور خاص طور پر مولانا آزاد اور مولانا مدنی کا کوئی اپنا کاروبار یا روزگار نہ تھا۔ اور انکی سوچ یہ تھی کہ جس طرح ایک بڑی سیاسی جماعت دوسری ملحقہ سیاسی جماعتوں کے ورکرز کو خرچہ وغیرہ دیتی ہے اُسی طرح اِن مسلمان لیڈروں اور ان کی جماعتوں کو بھی کانگرس مالی امداد فراہم کرتی ہے جو ان کے خیال میں شرعاً ناجائز نہیں تھا۔ مولانا احمد علی لاہوری کا اس بارے میں استدلال یہی تھا جو انہوں نے ایک دفعہ ایک سوال کے جواب میں ملک محمد لطیف اسٹیشن ماسٹر لاہور اور شیخ محمد عبداللہ سابق ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ انڈسٹریز لاہور کو اُن کے دریافت کرنے پر خود بتایا تھا۔ جواباً ان دونوں نے اسی وقت یہ کہہ دیا کہ مولانا! یہ لوگ آپ کو رشوت دیتے ہیں۔ کچھ بھی ہو دیکھنا یہ ہے کہ کانگریس کا یہ روپیہ جن ذرائع سے آتا تھا وہ کیا تھے؟ بلا مبالغہ ۹۹ فیصدی رقم ہندوؤں کی طرف سے آتی تھی جو خالصتاً سود

درسود سے حاصل ہوتی تھی یا ہندو ساہوکار مسلمانوں کو سودی قرضے دے کر وصول پاتے تھے، یعنی خاص اسلامی شرعی نقطہ نظر سے یہ روپیہ حرام کی کمائی سے حاصل ہوتا تھا، اور پھر یہی روپیہ مسلمان لیڈروں بشمول مولانا حسین احمد مدنی کو بھی ملتا تھا۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، اس بات کی تصدیق کہیں بھی نہیں ہوئی کہ مولانا کانگرس سے روپیہ نہیں لیتے تھے اور اُن کے گھر کا خرچہ کسی کاروباری دھندے وغیرہ سے چلتا تھا۔ اسی طرح خدائی خدمت گار (عبدالغفار خاں)، احرار، انجمن خدام الدین لاہور وغیرہ کو بھی ہندو کانگرس کے "برلا فنڈ" سے سرمایہ فراہم ہوتا تھا جو سودی رقم سے اکٹھا ہوتا تھا۔ علمائے کرام نے تو ہمیں یہی بتایا ہوا ہے کہ جس آدمی کے پیٹ میں حرام کا مال جائے گا وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں ان علماء نے یہ حدیث شریف بھی سنائی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

"جس شخص کے پیٹ میں حرام کی روٹی جائے اس کی دعا قبول نہیں ہو سکتی"۔

یہ لوگ "برلا فنڈ" سے حصہ پاتے ہیں اور ہندو کی کمائی کا سب سے بڑا ذریعہ سود در سود ہوتا ہے جو اسلام میں حرام ہے۔ سیاست دین اسلام سے علیحدہ نہیں ہوتی اس لیے اسے صرف سیاست کا خرچہ سمجھ کر فقہ مار لینا اس معاملہ میں درست نہیں ہو سکتا۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، بابت: ۱۴ نومبر ۱۹۸۳ء، ص:۱۱)

دراصل کانگریسی مولویوں کو حرام مال کھانے کا چسکا پڑ گیا تھا اور وہ ہندوؤں کے اکثر وبیشتر مہمان بنے رہتے تھے اور اسے باعث عزت سمجھتے تھے۔

حبیب الرحمٰن لدھیانوی احراری کے صاحبزادے عزیز الرحمٰن جامعی اپنی کتاب "رئیس الاحرار حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ہندوستان کی جنگ" مطبوعہ ۱۹۴۱ء میں عطاء اللہ شاہ بخاری کا ذکر خیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "پنڈت موتی لال نہرو، سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سحر بیانی کے عاشق تھے، انہیں کے پروگرام کے مطابق شاہ صاحب کام کر رہے تھے۔ الہ آباد میں جب شاہ صاحب پنڈت موتی لعل جی کے

یہاں پہنچے تو پنڈت موتی لعل جی نے خود شاہ صاحب کے کھانے کا بندوبست کیا اور اپنے ہاتھ سے دونوں وقت کی چائے بنا کر پلائی۔"

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص:۴۹۶)

۱۹۴۵ء میں داؤد غزنوی بطور صدر کانگرس صوبہ پنجاب جھنگ تشریف لے گئے تو ان کا کھانا، پینا، نماز اور عبادت سب لالہ کشوری لال وکیل کے ہاں تھی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ ہندو تو ہمارے ساتھ کھانا پینا حرام سمجھتے ہیں آپ ان کے ہاتھوں سے وضو اور ان کی چٹائی پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے ارشاد فرمایا کہ "اسلام میں تو اس کی مناہی نہیں ہے۔"

(مشکلات لا الٰہ، از: شیخ محمد سعید ایڈووکیٹ، مطبوعہ: جھنگ ۱۹۸۱ء، ص:۱۰۸)

کانگریسی روپیہ اور دستر خوان نے ان مولویوں پر ایسا جادو کیا کہ ۱۹۴۵ء میں ہی داؤد غزنوی نے عید الفطر کی نماز منٹو پارک (اب اقبال پارک) کے خطبہ میں قائداعظم پر حملے شروع کر دیئے جس پر نماز کے اجتماع میں Shame Shame کے نعرے لگنے شروع ہو گئے اور مسلم لیگی اور کانگریسی احراری کارکنوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ ایک نوجوان نے اینٹ پکڑ کر مولانا کی طرف زور سے پھینکی مگر ایک شخص نے اینٹ کا وار روک لیا۔ اس گڑبڑ کے دوران کئی ہندو اور سکھ سڑک پر کھڑے نماز عید کا حشر دیکھتے رہے۔ خطبہ تو ہنگامے کی نذر ہو گیا لیکن مسلمان نوجوانوں نے قائداعظم کی ہتک برداشت نہ کی۔

(مجلہ "مرغزار" قائداعظم نمبر ۷۶-۱۹۷۷ء، گورنمنٹ کالج شیخوپورہ، ص:۱۹۵، مضمون پروفیسر خالد مسعود قریشی)

اب ہم پھر واپس حسین احمد مدنی کے ذکر خیر کی طرف آتے ہیں اور روزنامہ "نوائے وقت" لاہور مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۴۴ء کا اداریہ نقل کرتے ہیں۔ جو خاصے کی چیز ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

حسین احمد مدنی سوادِ اعظم سے کٹ گئے

''حسین احمد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند ایک با عمل عالم ہیں۔ حضرت شیخ الہند سے اور دارالعلوم دیوبند سے تعلق کی وجہ سے ہندوستان کے علماء میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ مولانا ایسی ہستی جن کا وجود اس دور میں مسلمانوں کے لیے باعث رحمت ہونا چاہیے تھا اغیار فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ گزشتہ پچیس برس سے حضرت مولانا ہندوستان کی مسلمان سیاسیات میں نمایاں اور سرگرم حصہ لے رہے ہیں۔ اور انہوں نے ملت اور وطن کے استقلال کیلئے بڑی مصیبتیں اٹھائیں اور قربانیاں دیں، لیکن چھ سات برس سے وہ سوادِ اعظم سے کٹ گئے ہیں اور ان کی سرگرمیوں سے (ان کے نہ چاہنے کے باوجود) ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

مولانا حسین احمد حال ہی میں جیل سے رہا ہوئے ہیں۔ ہمیں توقع تھی کہ جیل سے باہر آ کر وہ بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لیں گے اور اپنے تجربہ اور علم و بصیرت سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائیں گے، لیکن آسام میں ان کی ایک دو تقریریں پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔ آج ان کا ایک انٹرویو دیکھا ہے جو انہوں نے الٰہ آباد میں کسی اخباری نمائندہ کو دیا۔ اس انٹرویو میں مولانا کی طرف یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں کہ ''جمعیت العلماء کی ورکنگ کمیٹی نے اس تجویز پر غور کیا ہے کہ فرقہ وارانہ سمجھوتہ کے لیے قوم پرست مسلمانوں کو منظم کیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ مسلم لیگ کی پالیسی ہندوستان اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے، ان حالات میں مسلم لیگ سے ہمارا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔''

مولانا کا آخری فقرہ تعجب انگیز بھی ہے اور رنجیدہ بھی،

''قوم پرست مسلمانوں'' کی تنظیم سے مراد اگر اسی قسم کی کوشش ہے جو مسٹر اللہ بخش مرحوم اور مولوی فضل الحق بارہا کر چکے ہیں اور اب خواجہ عبدالمجید اور خان بہادر جان محمد کر رہے ہیں، تو اس کا انجام ظاہر ہے۔ آزاد بورڈ اور آزاد ''مجلسوں'' کا حشر

حضرت مولانا کو معلوم ہی ہے۔ وہ خان بہادر اللہ بخش، مولوی فضل الحق اور خواجہ عبدالمجید کی طرح سیاسی طالع آزما نہیں اور یہ سیاسی ڈھونگ اور ہتھکنڈے اُن کی شان کے خلاف ہیں۔ لیکن اگر ان کے ارشاد کا مطلب مسلم رابطۂ عوام کی تحریک ہے جو آج کل خداوندانِ کانگرس کے زیر غور ہے تو مولانا کا منصب اس سے بہت بلند ہے کہ وہ خود اور ان کے رفقاء کار علمائے کرام کانگریس کے خیمہ برداروں کی حیثیت سے مسلمانوں کی تنظیم میں رخنہ اندازی کریں۔ حضرت مولانا کا یہ ارشاد ہماری سمجھ سے بالا تر ہے کہ "مسلم لیگ سے ہمارا کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔" آخر مسلم لیگ سے اِن کا سمجھوتہ ناممکن کیوں ہے؟ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اور اس سے حضرت مولانا کو بھی انکار نہیں کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت مسلم لیگ سے وابستہ ہے۔ مولانا مسلمانوں کے بہت بڑے عالم ہیں۔ اِن کا فرض دعوت الی الحق ہے۔ فرض کیجئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ اکثریت گمراہ ہے تو اس کی ہدایت و رہنمائی ان کا فرض ہے یا انہیں مایوس ہو کر ان مسلمانوں کا خیال چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر مولانا آخری راستہ اختیار فرمائیں تو یقیناً وہ قیامت کے دن خدا اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں کہ مولانا اور جمعیت کے دوسرے علماء کروڑوں لیگی مسلمانوں کو ناقابل اصلاح سمجھ کر ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ کانگریس کے ساتھ مل کر اپنے زعم میں نیک نیتی کے ساتھ آزادی وطن کے خیال سے انہیں کانگریس کے حلقہ بگوش بنانے کی سعی فرمائیں...... مسلم لیگ اور مسلمانوں کو تو اس کی ضرورت ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی اور دوسرے علماء حضرت شیخ الہند کے مشن کو مکمل کریں۔

اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کے مذہب اور سیاست میں جو خلیج حائل ہو رہی ہے اسے پاٹنے کی کوشش کریں۔ ہماری سیاست کو اسلامی رنگ دیں جو ہمارے سیاسی مطالبہ کو اسلامی مطالبہ بنائیں اور ہماری سیاسی زندگیوں کو اسلامی زندگیوں میں تبدیل کریں۔ لیگ کی پالیسی یا پروگرام میں وہ کونسا بنیادی نقص ہے جو حضرت مولانا اور علماء کو لیگ سے سمجھوتہ کرنے سے روکتا ہے۔ جب لیگ کامل آزادی کی بھی طلبگار نہ تھی اور اس کا مطمع نظر حکومت اور ہندوؤں سے مسلمانوں کے لیے کچھ

مراعات منظور کرانا تھا اس وقت مولانا اور لیگ میں سمجھوتہ ہوسکتا تھا۔ اور مولانا انہی مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں لیگ میں شامل تھے لیکن اب جب کہ لیگ وطن کے لیے کامل آزادی چاہتی ہے اور آج سے سات آٹھ سال پہلے کی طرح قرارداد پاس کرنے والے وکیلوں، بیرسٹروں اور نوابوں کی جماعت نہیں، بلکہ عامۃ المسلمین کی جماعت ہے حضرت مولانا کہتے ہیں کہ لیگ سے ہمارا سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔"

العجب!! ثم العجب!! لیگ کے نصب العین میں کوئی برائی ہے؟ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہیں گے کہ مسلم لیگ کے بعض لیڈروں کی زندگی غیر اسلامی ہے، اُن کا فکر غیر اسلامی ہے، وہ خود غرض ہیں، نفس پرست ہیں۔ بجا ارشاد ہوا، مگر ایسے لوگ کس جماعت اور کس گروہ میں نہیں؟ گستاخی معاف کیا علماء کے گروہ میں غیر اسلامی زندگی بسر کرنے والے عالم نہیں؟ کیا علماء میں نفس پرست اور خود غرض نہیں؟ اور کیا کانگریس بے غرض اور بے نفس فرشتوں کا گروہ ہے؟ کیا کانگریس میں گاندھی، نہرو، پٹیل اور پنت سبھی کی زندگیاں خالص اسلامی ہیں؟ کیا کانگریس کا فکر اسلامی ہے؟ کیا کانگریس کا نصب العین اسلامی ہے؟ کیا کانگریس کی پالیسی اسلامی ہے؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو حضرت مولانا ہی فرمائیں کانگریس کے غیر اسلامی ہونے کے باوجود، اُس کے غیر اسلامی نصب العین اور پالیسی کے باوجود، اُس کے ارکان کی ۹۹ فیصدی ہندویت کے باوجود مولانا اور جمعیت علماء کانگریس سے سمجھوتہ کرسکتے ہیں تو مسلم لیگ اور ان کروڑوں مسلمانوں کا جو لیگ سے وابستہ ہیں کیا قصور ہے کہ مولانا انہیں اپنی رہنمائی سے محروم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا ان کا گناہ صرف یہی تو نہیں کہ وہ خام کار و غلط کار ہی نہیں بلکہ مسلمان بھی ہیں۔"

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص: ۴۶۴ تا ۴۶۷)

لیجئے ایک اور اداریہ بھی پڑھ لیجئے تا کہ مولوی مدنی کے کردار کو سمجھنے میں مزید آسانی ہو سکے۔ یہ اداریہ بھی روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کا ہے جو ۱۴ اپریل ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں چھپا۔

"مولوی مدنی سے ایک ضروری استفسار"

"جناب حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت علمائے ہند و نائب صدر یو پی کانگریس کمیٹی کا حال ہی میں ایک بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے جس پر مسلمان بہت افسوس ظاہر کر رہے ہیں۔ مولانا نے اپنے بیان میں اخبارات کی روایات کے مطابق مسٹر گاندھی کی وحدانی قومیت نسل و وطن کے نظریہ جداگانہ مسلم قومیت بر بنائے اسلام و اسلامیت کی مخالفت کا اعلان کیا ہے، اور مسلم لیگ کی پالیسی اور نصب العین کو ملک کے لیے اور مسلمانوں کے لیے نقصان رساں بتایا ہے۔

مسلم لیگ کا نصب العین کیا ہے؟ مسلم لیگ کی پالیسی اور نصب العین کیا ہے؟ دنیا اس سے واقف ہے کہ گاندھی جناح مذاکرات بمبئی اس مسئلہ پر ٹوٹ گئے کہ مسلم لیگ اس کی دعویدار ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند اپنی جداگانہ شریعت اور ملت، جداگانہ تہذیب و تمدن اور جداگانہ تاریخ و روایات، جداگانہ عقائد و اعمال، جداگانہ امیال و عواطف، جداگانہ سیاست و معیشت کی بنیاد اور ہر اعتبار سے ایک جداگانہ قوم اور مستقل نیشن ہیں، اور بنابریں وہ براعظم ہند میں اپنی جداگانہ ملی و قومی اسٹیٹ اور اس کے کامل استقلال و آزادی کے طالب ہیں، اور کسی حال میں وہ ہندو قوم کی تابعیت اور کسی آل انڈیا مرکز کی تابعداری و محکومی کسی شکل میں قبول نہیں کریں گے۔ البتہ ایک مستقل اسلامی قومیت و ریاست کی حیثیت سے ہندو قوم اور دوسری قوموں سے باہمی معاملات حقوق و تعلقات سے متعلق معاہدہ کرنے کو تیار ہیں۔ ہندو اکثریت کے ساتھ مخلوط و مدغم ہو کر نہ ایک قوم بن سکتے ہیں اور نہ اس کیلئے تیار ہیں۔

مسٹر گاندھی کا داعیہ اور نصب العین! اس کے برعکس مسٹر گاندھی نے مسلمان کی جداگانہ قومیت اور مستقل ملی حیثیت ماننے سے انکار کیا۔ اور دعویٰ کیا کہ چونکہ مسلمانان ہند اصلاً و نسلاً ہندو جاتوں اور نسلوں سے تبدیلی مذہب کے ذریعہ نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں اس لیے وہ مذہبا مسلمان ہیں لیکن قوما وہ اب بھی ہندو یا ہندوستانی ہیں کیونکہ قومیت کا مدار دین و عقیدت نہیں ہے، بلکہ بقول مسٹر گاندھی قومیت کا مدار وطنیت اور نسلیت پر ہے، بنابریں مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو ایک

مستقل قوم ماننے اور مسلم ریاستوں اور صوبوں کے لیے کامل آزادی و استقلال و حاکمیت کا حق ماننے سے انکار کیا۔ اور ایک آل انڈیا فیڈرل یا ارکان فیڈرل مرکز کے ماتحت رکھنا چاہا، جس کے اندر ہندوؤں کی اکثریت اور دائمی غلبہ اور مسلمانوں کی محکومیت و مغلوبیت لازمی ہے۔

مسٹر جناح کا ہندو حاکمیت ماننے سے انکار! مسٹر جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے اس ہمہ گیر ہندو قومیت اور آل انڈیا ہندو حاکمیت کے اس باطل دعویٰ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور واضح کر دیا کہ ہندوستان کی تمام اقوام کی مساویانہ آزادی کی واحد عملی راہ یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کی آزادی مان لیں اور ہندو پاکستان کی آزادی مان لیں، اور پھر دونوں اقوام مل کر برطانیہ اور دنیا سے اپنی آزادی تسلیم کرائیں وصف دوستی قائم کر کے دو آزاد اور مختلف سلطنتوں اور ہمسایہ طاقتوں کی حیثیت سے باہم معاہدہ کر لیں۔ اس طرح اور صرف اسی طرح نہ صرف دو بڑی ہندی قوموں کی آزادی کا مسئلہ خوش اسلوبی اور برابری کی بنیاد پر حل ہوگا بلکہ تمام اقوام ہند کو اصلی آزادی اور داخلی و خارجی غلامیوں اور ظلموں کا خاتمہ ہوگا۔

مولانا حسین احمد سے سوال:

اب میں مولانا حسین احمد سے دریافت کرتا ہوں کہ وہ کس طرح مسلم لیگ کی پالیسی کو ملک اور ملت کے لیے نقصان رساں بتارہے ہیں۔ کیا مسٹر گاندھی کے نظریۂ قومیت نسلی کا انکار کرنا اور ہندو نسلوں سے نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے دس کروڑ ہندی الاصل مسلمانوں کو بربنائے ملتِ اسلام ایک مسلم قوم بنانا خلافِ واقعہ، خلافِ اصل اور خلافِ مفادِ ملت ہے۔ کیا مسلمانوں کا مفاد یہی ہے کہ حامیان کفر و جاہلیت کی بنا قومیت اور وجۂ جامعیت کے سامنے سپر انداز ہو جائیں اور دین و ایمان اور قبلہ و رسالت محمدی کے اساس پر ایک عالمگیر قومیت بنانے کے قرآنی نصب العین سے دست بردار ہو جائیں۔

خدا، مولانا بتائیں کہ آخر مفادِ اسلام کیا ہے اور لیگ نے کس طرح اس کی مخالفت کی ہے کیا دس کروڑ کلمہ گویان اسلام کی گردنوں کو بدترین کافروں اور مشرکوں کے ہاتھوں میں آنکھ بند کر کے دے دینا مفادِ اسلام ہے یا اِن دس کروڑ کلمہ گویان

اسلام کیلئے آزادیٔ استقلال اور حاکمیت وسلطنت حاصل کرنا مفادِ اسلام ہے۔ غیر آریہ قوموں کی ہندوؤں سے علیحدگی وآزادی! جب آریہ ہندو اچھوتوں اور دراوڑوں اور غیر برہمنوں کو جنہیں وہ مردم شماری کے لیے ہندو گناتے اور بتاتے ہیں۔ ان کو بھائی نہ بنا سکے اور ان کو ملا کر ایک قوم نہ بنا سکے تو پھر وہ اہل اسلام کو کس طرح اپنا بھائی اور ایک قوم بنا سکتے ہیں۔

جب خود یہ ہندو اقوام آریہ برہمنہ سے علیحدگی وآزادی کے طالب ہیں تو پھر مسلمان کس طرح ان سرمایہ دار اونچ جاتوں سے مل کر اپنی اور ملک کی آزادی حاصل کر سکتے ہیں؟ خیر اس مسئلہ پر تو پھر بحث ہوگی میں فی الحال مولانا محترم کی توجہ عالی مسٹر گاندھی کے ان دو تازہ بیانات واعمال کی طرف مبذول کراتا ہوں، اور مسٹر گاندھی کی اِن دو تازہ حرکتوں کے متعلق مولانا سے بحیثیت مسلمان عالم دین فتویٰ پوچھتا ہوں کہ وہ کیا فرماتے ہیں؟ مسٹر گاندھی توہینِ رسول کی تائید میں ستیا گرہ جاری کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ وھوھذا۔ اولاً یہ کہ مسٹر گاندھی کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر پیارے لال اور پھر مسٹر جی ایس گپتا صدر سی پی اسمبلی، صدر آریہ پرتی ندھی سبھا اور آخر میں خود مسٹر گاندھی نے یہ حقیقت یو۔ پی کے ایک ہندو کانگریسی کے جواب میں ظاہر کر دی ہے کہ مسٹر گاندھی نے ''ستیارتھ پرکاش'' کے چودھویں باب کی مسلم لیگی حکومت سندھ کے حکم سے ضبطی وبندش کے آرڈر کے خلاف کانگریس والوں کو ستیا گرہ کرنے اور سول نافرمائی کی مہم جاری کرنے کی اجازت دی ہے۔

مولانا حسین احمد اس حقیقت سے بھی باخبر ہوں گے۔ پچاس علماء دہلی نے، جس میں مولانا مفتی کفایت اللہ سابق صدر جمعیت علمائے ہند ومولانا عبدالحلیم صدیقی سیکرٹری جمعیت علماء ہند اور مولانا مظہر اللہ صاحب شامل ہیں، یہ فتویٰ دیا ہے کہ آریہ سماجی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کے تیرہویں اور چودھویں باب میں رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے خلاف فحش اور دل آزار نا قابلِ بیان گالیاں دی ہیں اور انبیاء کرام کی سخت ترین توہین کی گئی ہے۔ بنا بریں مسلمان پر واجب ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی حفاظت کے لیے ان گندہ غلیظ اور منافرت انگیز باتوں کو قانوناً ضبط کرانے کی کوشش کرے۔

کیا توہینِ رسول ﷺ کی آزادی قائم کرنے کیلئے ستیہ گرہ کریں گے

اب مولوی حسین احمد مدنی شیخ الاعظم دیوبند سے فتویٰ پوچھنا ہے کہ وہ کس فتویٰ کو مانتے ہیں۔ آیا بحیثیت نائب صدر یوپی کانگریس مولانا مسٹر گاندھی مہاتما کے کانگریس کے فتویٰ کی پیروی کریں گے اور سندھ کی حکومت کے آرڈر کے خلاف ستیاہ گرہ اور مقدس جہاد فرمائیں گے تاکہ توہین رسول ﷺ کرنے کی آزادی اور توہین رسول ﷺ کرنے والی کتاب آزادی اور کثرت سے خوب شائع ہو اور گلی کوچوں میں ہر کانگریسی ان توہین آمیز آریہ سماجی گالیوں کو دہراتا پھرے، اور مولانا حسین احمد اور ان کے طلباء اساتذہ دیوبند اس جہاد میں پیش پیش ہوں؟ یا وہ بحیثیت صدر جمعیت العلماء ہند و شیخ الاعظم دیوبند پچاس علماءِ دہلی کے اور ستیارتھ پرکاش کی ضبطی کیلئے آل انڈیا مسلم لیگ...... سندھ مسلم لیگ اور وزارت سندھ مسلم لیگ نے جو نیک اقدام کیا ہے اس کی تائید فرمائیں گے۔ آیا مولانا کس کے فتویٰ کو مانتے ہیں۔ مسٹر گاندھی کے فتویٰ کو جو توہین رسول ﷺ کی آزادی مانگتا اور توہین رسول ﷺ کی عام اجازت واشاعت کا حکم دیتا ہے یا فتویٰ مفتی کفایت اللہ کو مانتے ہیں جو توہین رسول ﷺ کی بندش وقانونی ضبطی کا مطالبہ کرتا ہے اور حرمت رسول ﷺ کی حفاظت کیلئے مسلمانوں کو جدوجہد کا حکم دیتا ہے۔

کیا مولانا کی خدمتِ اسلام کا طریقہ یہی ہے:

اگر مولانا اس فتویٰ علمائے دہلی کو مانتے ہیں جن پر بلاشبہ تمام علمائے ہند کا اتفاق ہے تو سوال ہے کہ مولانا نے علمائے دہلی کے فتویٰ اور مسلم قوم کے مطالبہ متفقہ کو جو "ستیارتھ پرکاش" سے متعلق ہے منوانے اور جاری کرنے کے لیے کیا عمل کیا ہے؟

کیا وہ بدترین اور غلیظ ترین اور فحش توہین رسول ﷺ اور عزت رسول ﷺ کا مسئلہ اہم واعظم نہیں ہے تو پھر اس آسمان کے نیچے اور کون سا اہم مسئلہ ہے۔ کیا اس سے بے خبر ہیں کہ اس دُشنام بازی توہینِ رسول ﷺ کے سوال پر اسلامی اندلس میں بڑی بڑی خونریزیاں اور جنگیں ہو چکی ہیں۔ کیا اسلام کے مفاد کی بہترین خدمت کا بس یہی طریقہ ہے کہ مولانا جیسی ہستی اسلامی جماعت کی طاقت کو مضبوط و مستحکم کرنے کی جو کوشش کی گئی وہ مسٹر گاندھی جیسے تنگ نظر، کور باطن سناتن ہنود کے ہاتھوں کو مضبوط کرنے میں مصروف ہیں۔ جو سرور کائنات، فخر موجودات، سید المرسلین ختمیت مآب علیہ السلام کے خلاف گندہ ترین گالیوں، دُشنام طرازیوں کی مہموں کو جاری کرنے کی بحیثیت کانگریسی لیڈر اجازت و برکت دیتے ہیں اور اس طرح ہندوستان کی اقوام میں بدترین منافرت وعداوت کے بیج بوتے ہیں؟ کیا کانگرس میں رہ کر مولانا کا اس مسئلہ میں چپ رہنا مناسب ہے؟

متحدہ قومیت کے شجر خبیثہ کا پہلا پھل:

مولانا حسین احمد کے ملاپ اور ان کی متحدہ قومیت کے شجر ممنوعہ کا پہلا پھل یہی ہے کہ مسٹر گاندھی تو مقدس پیغمبر اسلام ﷺ کے دشنام نامہ وتوہین نامہ کی عام اشاعت کی تحریک کو جاری کرنے کے لیے عملاً وقولاً برکت دیں اور ہمت افزائی کریں اور قاسم العلوم والخیرات شیخ العلوم دیوبند کے شیخ اعظم یوپی کانگریس کی نائب صدارت قبول کر کے چپ کا روزہ رکھ لیں اور مسلمانوں کو کانگریسی ہندوانانیت کی اندھی تقلید اور غیر مشروط بیعت کا حکم دیں۔

بلاشرط ومعاہدہ اِس کنٹیک کے معنی بیعتِ گاندھویت ہے

آخر بلا معاہدہ وبلاشرط کانگریس میں شرکت اور اس کنٹیک کا مطلب بیعت گاندھی کے سوا اور کیا ہے۔ اس کنٹیک کے معنی مسلمانوں کی ملی اجتماعیت کی تحلیل اور قومی فردیت کی تردید اور ان کے افراد کو فرداً فرداً کانگریسی قومیت وسیاست میں

انہضام وادغام ہیں، اور افسوس ہے کہ مولانا عملاً اس کی حمایت کر رہے ہیں اور اسکو دین وملت کا مفاد بتارہے ہیں۔

آج یہ ہے کل کیا ہوگا؟

آج تو یہ ہے کل متحدہ قومیت اور آل انڈیا مرکزی ہندو راج کے قیام و استحکام کے بعد کیا ہوگا؟ یقیناً یہی اندلس اور اسپین کی طرح تمام دیوبند جیسے مدرسوں کو ناچ گھر بنایا جائیگا۔ قرآن وعربی کی تعلیم فرقہ وارانہ جرم قرار دیا جائے گا، اور اللہ رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لینے والوں کو باغی گردان کر ذبح کردیا جائے گا۔ مانیں یا نہ مانیں مولانا قوم کو اُس طرف ہانک کرلے جانا چاہتے ہیں اور ان کی پالیسی کا یہی نتیجہ ہوگا۔

مسٹر گاندھی نے حال میں حسب عادت ایک ذُومعنی بیان دیا ہے جس میں ایک طرف ستیارتھ پرکاش کے باب تیرہ و چودہ کے حذف کرنے کی آریہ سماج کو ہدایت دی ہے اور ساتھ ہی دو بابوں کی ضبطی کی بھی مخالفت کی ہے اور حکومت سندھ کے آرڈر کو جس میں ان دُشنام ناموں کی اشاعت' سندھ میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ غلط اور قابلِ تردید آرڈر قرار دیا ہے۔ اس میں سابقہ اعتراض بحال اور سابقہ سوال برقرار رہتا ہے۔ متحدہ قومیت کے داعی اور ہندو مسلم اتحاد کے حامی کانگریس کے مہاتما کا فرض تو یہ تھا۔ کہ وہ خود ان باتوں کی قطعی ضبطی اور بندشِ اشاعت کا مطالبہ کرتے کیونکہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ منافرت، جنگ وجدل، فسادات اور قتل وخون کی ہزاروں واردات کا اصلی وبنیادی سبب یہ ابواب ہیں جنہوں نے اسلام دشمنی، قرآن دشمنی، مسلم دشمنی اور رسول دشمنی کی آگ لگائی ہے جو گزشتہ ایک ہزار سال میں کسی دوسری کتاب وتحریک سے اس ملک میں کبھی نہ لگی تھی۔ لیکن کانگریس کا مہاتما ان بابوں کو منافرت انگیز، غلط، مایوس کن اور گمراہ قرار دینے کے باوجود ان کی ضبطی وبندش کے خلاف بیان دیتا ہے عملاً آریہ پرتی ندھی سبھا اور آریہ لیگ کی تحریک کی تائید کرتا ہے۔ جیسا کہ مسٹر گھنشام سنگھ گپتا صدر آریہ لیگ وسپیکر سی۔ پی اسمبلی جیسے کانگریسی لیڈر

نے مسٹر گاندھی کے بیان کی اشاعت کے بعد تشریح کی ہے۔ مسٹر گاندھی اس قسم کی دو طرفی چالیں چلنے کے پرانے پینترا باز ہیں۔ لیکن افسوس کہ مولانا حسین احمد صاحب کی آنکھ بند ہے اور حقیقت کو حقیقت کی نظر سے دیکھنا نہیں چاہتے۔

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص: ۴۶۸ تا ۴۷۵)

روز نامہ "نوائے وقت" لاہور کے حقیت افروز اور باطل سوز اداریئے آپ نے ملاحظہ فرمائے تو لگے ہاتھوں بہاولپور ڈویژن کے مشہور مسلم لیگی میرزاہد حسین کا ایک تاریخی خط بنام مولانا حسین احمد مدنی جو روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کی اشاعت ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء میں چھپا تھا پڑھ لیجئے اور مولانا مدنی کے صحیح خدوخال سے آگاہ ہو جائیے:

"مولانا۔ السلام علیکم۔ مزاج مبارک

دو ایک روز سے پنڈت جواہر لال نہرو کی آپ بیتی "میری کہانی" زیر نظر ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ مسلم قوم کا تخیل صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پروازِ خیال ہے۔

۲۔ اسلامی تمدن کے سمجھنے کی میں نے بڑی کوشش کی، لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں اس میں کامیاب نہیں ہوا۔

۳۔ گناہ اور غضب الٰہی کی اہمیت ہم کو چند صدی پیچھے دھکیل دیتی ہے۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم تسلیم نہیں کرتے، مسلمانوں کے تمدن کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ گناہ اور غضب الٰہی تو ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہم پنڈت جی سے اس قسم کے خیالات کی توقع رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ جناب ایسا قال اللہ وقال الرسول کا درس دینے والا عالم بے بدل اپنی عمر عزیز کا ایک بہترین حصہ مسلمانوں کے سواد اعظم سے کٹ کر ہندو کانگریس کی خدمت میں صرف کر دے۔ لیکن پنڈت نہرو کو خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل

کرنا تو در کنار، یہ تو ایک بڑے مرتبے کی چیز ہے، ان کو مسلمانوں کے تہذیب و تمدن سے بھی روشناس نہ کرا سکے اور ان سے یہ بھی نہ منوا سکے کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ تو کیا میں یہ دریافت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ آخر ہندوؤں سے اشتراک عمل سے جناب کا مقصد آخر ہے کیا..... صرف مسلم کاز کو نقصان پہنچانا یا کچھ اور بھی؟

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

پنڈت نہرو کی تحریر کے بموجب ہندو کانگریس میں آپ صاحبان کا وجود ہمیشہ مسلمانوں کے لیے مضرت رساں اور نقصان دہ رہا ہے۔ کہتے ہیں:

"بارہا گاندھی جی فرقہ پرستوں کے بعض مطالبات اپنی مرضی کے خلاف منظور کرنے کو تیار ہو گئے، لیکن ان کے رفقائے کار یعنی قوم پرور مسلم لیڈروں نے انہیں روکا اور بڑی سعی سے مخالفت کی۔"

مولانا! پنڈت جی کی یہ سند بڑے کام کی چیز ہے اور ان کی آپ بیتی "میری کہانی" حصہ دوم کے صفحہ ۲۲۷ پر موجود ہے۔ اس کو سنبھال کر رکھیئے۔ باپو (گاندھی) کے دربار میں بڑی قیمت پائے گی۔

کانگریس کے ماضی و حال پکار پکار کر چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ مسلمانو! تمہاری بھلائی اور عاقبت اندیشی اسی میں ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اس ہندو جماعت سے اپنا دامن چھڑا لو۔ مولانا! معاف فرمائیے گا۔ دس کروڑ مسلمانوں سے کٹ کر ہندوؤں کی آغوش میں پناہ لینا آپ ایسے جید اور متبحر عالم کی شایان شان نہیں، آپ کی شرکت کانگریس سے مسلمانوں کے حقوق محفوظ ہونے سے رہے اور مسلمانوں کو ان سے کوئی فائدہ پہنچنے سے رہا۔ ہاں ان صاحبان کی صحبت طالع کا اثر جناب نے خوب قبول کیا ہے، چنانچہ جناب کے قول و عمل میں، معاف فرمائیے گا۔ مہا سبھائی تعصب کی جھلک خوب نمایاں اور روز افزوں ہے اور سابق راشٹر پتی "آزاد

"(ابوالکلام آزاد) کا تو رونا ہی کیا، وہ تو سراسر "گنگا جمنی" بن چکے ہیں۔ جناب کی شرکت کانگریس سے ہندو قوم کو جو بے بہا فائدے پہنچے ہیں ان کا انکار اور اس کے ساتھ ہی جو نقصان عظیم مسلمانوں کو پہنچا ہے اس کا اقرار نہ کرنا کفر ہے۔ مسلمانوں کی آنکھیں خون کے آنسو رو دیتی ہیں۔ جبکہ وہ دیکھتی ہیں کہ آپ ایسی عظیم المرتبت ہستی اغیار کے جال میں کس بُری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ سنا گیا ہے یقیناً غلط ہوگا کہ سال میں آٹھ نو ماہ درس حدیث چھوڑ کر جناب ہندو کانگریس کے مشاغل میں مصروف رہنے کے باوجود تین چار ماہ میں ایک سال کا کورس پورا فرمادیتے ہیں اور دارالعلوم کے بیت المال سے تنخواہ پورے سال کی وصول ہوتی ہے۔ آخر ایسا کون سا خیال ہے، ایسی کون سی کوشش ہے، ایسا کون سا مفاد ہے جس نے جناب کو ایک ہندو جماعت سے وابستہ کر رکھا ہے اور جو اس بات پر مصر ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کو نظر انداز کر کے ان کے حقوق کو پامال کر کے اپنے ہر ممکن قول و عمل سے اپنی قوم کو نقصان پہنچایا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ انگریز دشمنی کے باعث جناب ایسا کر رہے ہیں۔ لیکن یہ تو فرمایئے کہ گزشتہ انتخابات میں ازلی و ابدی ٹوڈی خضر حیات سے دیوبندی علماء کا ان کے حق میں گلے پھاڑ پھاڑ کر پروپیگنڈا کرنا بھی کیا انگریز دشمنی کا ہی کوئی حصہ تھا۔ مولانا! طلبائے دیوبند کے اس "وار دھائی جہاد" پر خلد آشیانی مولانا حبیب الرحمٰن کی روح لرز گئی ہو گی۔ انہوں نے تو ان طلباء کو عدم تعاون ایسی ہمہ گیر تحریک سے بھی الگ رکھا تھا اور جناب نے اس مسند شاہین پر قابض ہوتے ہی اس کو سرکار انگلشیہ کے فرزند دلبند خضر حیات کے حوالے کر دیا...... محض لیگ دشمنی کی خاطر...... اور پھر جو طلباء مسلم لیگ سے ہمدردی رکھتے تھے ان کو خوب نقصان پہنچائے اور طرح طرح سے ان کو ذلیل و خوار کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ امتحانوں میں کامیاب تھے اُن کی سندیں تک روک لی گئیں۔ بے شک یہ لوگ اس قسم کی سزاؤں کے مستحق ہیں کیونکہ ان کا جرم یہ کیا کم ہے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو دو ٹکے کی مصلحتوں کے عوض ٹاٹاؤں اور برلاؤں کے حوالے

کرنے سے انکار کر کے محمود غزنوی کی یاد کو تازہ کر دیا...... مولانا...... اب جب کہ دارالعلوم دیو بند کی وقعت دنیا کی نگاہوں میں پہلی سی نہیں رہی تو بھلا ان سندوں کو کون پوچھتا ہے جو کہ محض آپ صاحبان کی خوشنودیٔ مزاج کا سرٹیفکیٹ بن کر رہ گئی ہیں۔ ان باغیان واردھا کو عبرت ناک سزائیں دیجئے اور دلایئے تا کہ مستقبل کا راستہ صاف ہو جائے اور آئندہ کسی کو جرأت نہ ہو کہ وہ واردھا کے حضور سجدہ ریز ہونے سے انکار کر دے

اس حقیقت سے انکار کفر ہے کہ اس وقت مسلم لیگ انگریز دشمنی میں کانگریس سے پیچھے نہیں۔ ہاں نام ونمود، جھوٹے پراپیگنڈے اور سیٹوں کی خاطر سر پھوڑتے پھرنا اس کے مسلک کے خلاف ہے، دنیا میں سب سے بڑا انگریز دشمن فقیر ایپی ہے۔ اس سلطان المجاہدین نے سالوں سے افرنگ کے خلاف جہاد کی مقدس تحریک شروع کر رکھی ہے اور ہزاروں افغانوں کی قربانی دے چکا ہے۔ وہ مسلم لیگ کو ایک فعال اور انگریز دشمن جامعت سمجھ کر اپنی تائید وحمایت کا اعلان اس کے حق میں کرتا ہے۔ دیکھیے ہمارے سرکار پرستوں اور غرض کے بندوں نے قائد اعظم کا اشارہ پاتے ہی اپنے فرنگی خطابات کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اب تک مسلم لیگ کی جنگ آئینی طور سے لڑی جا رہی تھی، لیکن اب جب کہ اس نے اسے خیر باد کہہ دیا ہے، قائد اعظم کے معمولی اشارے پر مولانا (جناب) مسلم لیگ کے نوزائندہ بچوں سے لے کر مردان پیر تک حکومت کی جیل ابلتے دیکھیں گے۔ اور اگر مزید قربانی کی ضرورت ہوئی تو جناب مشاہدہ فرمائیں گے کہ شوق شہادت دلیران اسلام اور مجاہدینِ پاکستان کو کسی طرح کشاں کشاں میدان کارزار میں لے جاتا ہے۔ مسلمان قوم اپنے محبوب قائد کے حکم کی منتظر ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کو مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اول تو یہ ازسرتاپا غلط ہے، کذب ہے اور بہتان۔ کیونکہ مسلم لیگ میں مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی خلیفہ مولوی اشرف علی تھانوی، مولانا محمد نذیر صاحب عرشی

خلیفہ مجاز حضرت الحاج مولانا ابو سعد احمد خاں کا نقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف، محمد شفیع دیو بندی، الحاج پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پور شریف، حضرت الحاج مولانا محمد قطب الدین صاحب ، حضرت الحاج مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی، حضرت الحاج پیر غلام محی الدین شاہ صاحب گولڑہ شریف، حضرت الحاج پیر صاحب مانکی شریف ، حضرت پیر صاحب زیارت شریف اور حضرت الحاج پیر قمر الدین صاحب سیال شریف ایسی ہستیاں شامل ہیں۔ جمیعت العلمائے اسلام بھی اپنا رشتہ مسلم لیگ سے وابستہ کر چکی ہے۔

مسلم لیگ اسلام کے ناموس کی خاطر، اسلام کے نشوونما کی خاطر اور اسلام کی بقا کی خاطر، انگریز اور ہندو سے برسرِ پیکار رہے۔ ہندوستان کا ہر جوان و پیر مسلمان آزاد پاکستان میں آزاد اسلامی حکومت کے پرچم لہرانے کے لیے بیتاب ہے اور منتظر ہے کہ آپ حضرات بھی اس کی رہنمائی فرمائیں۔ لیکن جب آپ صاحبان کو لطف ہی واردھا آشرم کے لنگوٹ بند مہاتما (گاندھی) کی صحبتوں میں آتا ہے، جب صاحب ترجمان القرآن (مولانا ابو الکلام) آزاد اپنی نمازوں کو پیر سابرمتی کی پرارتھناؤں پر قربان کرتے نظر آئیں تو فرمائیے قصور کس کا ہے؟ اور اسلام کا دشمن کون ہے۔ علامہ عثمانی (مولانا شبیر احمد عثمانی) نے مسلم لیگ میں شرکت فرمائی تو مسلمانوں کے دل بلیوں اچھل پڑے اور اُن کے جسم کے ایک ایک سوتے سے مسرت و شادمانی کے فوارے جاری ہو گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے لے کر مجھ ایسے ناچیز مسلم لیگی نے مبلغ اسلام کو اپنے دلوں کی لامحدود گہرائیوں سے خوش آمدید کہی۔

اور اب جب کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے جناب کو اپنی مجلس عاملہ تک سے چھانٹ دیا ہے۔ عثمانی نہ صرف مسلم لیگ کے ہر اجلاس میں گرجتے ہیں بلکہ قائداعظم نے اُن کو آئین ساز اسمبلی کا رکن منتخب کرایا تاکہ وہ وہاں جا کر دینی معاملات میں ان کی رہنمائی فرمائیں۔ مولانا...... یہ ہے مسلم لیگ کی ''لامذہبیت اور علماء بیزاری'' کا

عالم ...... مسلمانوں کے تشتت و افتراق کے مقابلہ میں ہندوؤں کا اتحاد و یگانگت جناب کے لیے مشغلِ راہ ہے۔

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

گذشتہ انتخابات میں جب کہ ہندوؤں کا مقابلہ کسی ہندو جماعت نے نہیں کیا۔ اس جماعت یا اس کے نمائشی صدر اور ان داتاؤں نے آپ صاحبان کو اپنے مسلمان بھائیوں کے پہلو میں خنجر گھونپنے کے لیے آگے بڑھایا۔
ہائے افسوس، وائے افسوس

سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذر برہمن ہوگئیں

ہندو سرمایہ کے زور پر لیگ دشمنی نے آپ صاحبان کو اس قدر از خود رفتہ بنا دیا، کہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جناب کی حسینی فوج کا جال سا بچھ گیا۔ جناب نے بھی اس ضعیفی کے عالم میں درس حدیث کو "خیر باد" کہہ کر جگہ بہ جگہ بے شمار دورے فرمائے۔

اس بے پناہ پروپیگنڈا کے باوجود جب نتیجہ نکلا تو کانگریسی خدایانِ سیم وزر اپنا سر پکڑ کر رہے گئے۔ پاکستان کے ۴۶۴ علمبردار فتح و نصرت کے علم بلند کیے بڑھے جا رہے تھے۔ جناب کے ملت کش بیانات اکثر نظر سے گذرتے رہتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ مسلمان دنیا کے بڑے شیخ الحدیث اور مشہور متقی کی ان نوازش ہائے بے جا پر دل مسوس کر اور کلیجہ تھام کر رہ جائیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ شملہ کانفرس سے لیکر وزارتی مشن تک جناب نے اپنی قوم کو خوب اچھی طرح تارپیڈو کیا ہے اور وہ وہ نقصان پہنچائے ہیں کہ ...... خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہیے ...... مولانا جب دس کروڑ مسلمانوں کی آہ و بکا کا مطلب یہی ہے کہ جناب کے اس "وار دھائی اجتہاد" سے ان کو

نقصان پہنچ رہا ہے تو جناب کا یہ فرض نہیں کہ یا تو سیاست سے یکسوئی اختیار کریں یا ان کے سواد اعظم میں شامل ہو کر ان کی رہنمائی فرمائیں۔ مولانا داؤد غزنوی سابق پرانت پتی کا بیان جناب کے سامنے ہے۔ خدارا اسی سے کچھ بصیرت حاصل کیجئے۔

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ
خوف باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

(بہاولپور کی سیاسی تاریخ، از: شہاب دہلوی، مطبوعہ: بہاولپور ۱۹۷۷ء، ص: ۱۲۹ تا ۱۳۴)

ناظرین آپ نے ''نوائے وقت'' کے دو طویل اور اہم اداریے ملاحظہ فرمائے اور پھر میر زاہد حسن کا پُراز حقائق خط بھی پڑھا۔ میں یہ بات پورے یقین اور وثوق کے کہہ سکتا ہوں کہ ایک ایک فقرہ تو کُجا ایک ایک لفظ نے آپ کی غیرت اسلامی کو بیدار کیا ہوگا۔ ہندوؤں کی اسلام دشمن کارروائیوں سے آپ کے دل میں ہندو کے خلاف نفرت کا جذبہ مزید بڑھ گیا ہوگا۔ مگر مقام حیرت ہے کہ دیوبند کے پرنسپل مولانا حسین احمد مدنی پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔ بلکہ وہ بڑی شد و مد سے کانگریس کی حمایت میں کمربستہ رہے، آخر کیوں؟ آیئے اور دیکھئے کہ مولانا ظفر علی خاں نے کس طرح اس راز کو طشت از بام کیا ہے۔

پلایا کانگرس نے ہو جنہیں دینار کا شربت
پسند آتا انہیں کب لیگ کا شربتِ بزوری ہے

۱۹۴۵ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں حسین احمد مدنی کی سرکردگی میں جمعیت علمائے ہند نے نوابزادہ لیاقت علی خاں کو شکست دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ نوابزادہ صاحب حلقہ میرٹھ سے مسلم لیگ کے امیدوار تھے، کانگرس نے ان کے مقابلہ میں ایک نہایت ہی مقبول سیاسی کارکن محمد احمد کاظمی کو اپنا امیدوار نامزد کیا۔ یہ حلقہ مولانا حسین احمد مدنی کے عقیدت مندوں کا حلقہ تھا۔ مولانا کے علاوہ کانگریس کے بڑے بڑے لیڈر جن میں سردار پٹیل، پنڈت نہرو اور ابوالکلام آزاد بھی شامل تھے

اس حلقے کے دورے پر گئے۔ ٹاٹا اور برلا کی تمام دولت روپہلی چاندی بن کر صرف ایک نشست کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔

حسین احمد مدنی اس حلقے کے ایک ایک گاؤں میں گئے اور ایک ایک ووٹر سے مل کر اپنے مذہبی اثر و رسوخ کو سیکولر کانگرس کے سیاسی مقاصد کے حق میں استعمال کراتے رہے اور مسلم لیگ کی تائید کرنے والوں پر بے دھڑک کفر کا فتویٰ عائد کرتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پورے حلقے میں مسلم لیگ کے خلاف ایک شدید سیاسی تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں چونکہ مسلم لیگ کے سیکریٹری تھے، کانگرس بجا طور پر سمجھتی تھی کہ اگر وہ مسلم لیگ کے مرکزی سیکرٹری کو انتخابات میں شکست دینے میں کامیاب ہو گئی تو اسے مسلم لیگ کی شکست قرار دینے کا موقع مل جائے گا، اور یہ قیام پاکستان کے خلاف ایک مؤثر پروپیگنڈا ہتھیار کے طور پر استعمال ہو سکے گا۔

(روزنامہ ''کوہستان'' لاہور، ۱۷ اگست ۱۹۶۷ء۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور، ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۲)

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء نے اس حلقے میں جان پر کھیل کر مولانا حسین احمد مدنی کے اثر کو زائل کیا۔ جمعیت علماء ہند نے ان طلباء کے لیے بے شمار مشکلیں پیدا کیں مگر بے سود۔ مولانا حسین احمد مدنی نے ان طلباء کے متعلق ''شرابی اور بدمعاش'' کا پروپیگنڈا کیا، جس کے نتیجہ میں ان کو مسجدوں میں داخل نہ ہونے دیا گیا۔ لونڈوں نے بازاری زبان استعمال کی اور آوازے کسے، مگر قائد اعظم کے ان دیوانوں نے اپنی ہمت کو لوہا کر کے مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا اور چند دنوں میں ہی اس حلقۂ انتخاب کی فضا اس نعرۂ مستانہ سے گونج رہی تھی ...... مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

پولنگ ختم ہوئی تو نواب زادہ صاحب نے ۴۵۳۰ ووٹ حاصل کر کے کامیابی کا پھریرا لہرایا، جبکہ مولانا حسین احمد مدنی کے امیدوار کو ۲۷۲۳ ووٹ ملے۔ اس کامیابی کی خوشی میں ۱۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو پورے ہندوستان میں یوم فتح منایا گیا۔ کانگرس نے اس الیکشن پر چالیس لاکھ روپے خرچ کیے مگر مولانا حسین احمد مدنی کی کرامت کی بدولت شکست سے دوچار ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

(روزنامہ "کوہستان" لاہور، ۱۷ اگست ۱۹۶۷ء۔ عظیم قائد عظیم تحریک، ص: ۳۷۵، قائد اعظم اور ان کا عہد، ص: ۲۶۰)

حسین احمد مدنی کی مسلم دشمنی کا ذکر کہاں تک کیا جائے، اب ہم آخر میں حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے وہ چند ارشادات نقل کرتے ہیں جو انہوں نے مولانا کی مسلم کش پالیسی سے بیزار ہو کر فرمائے:

ندانی نکتۂ دین عرب را — کہ گوئی صبح روشن تیرہ شب را
اگر قوم از وطن بودے محمد — نہ دادے دعوتِ دین بولہب را

۲۔ "قادیان اور دیوبند اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور دونوں اس تحریک کی پیداوار ہیں جسے عرف عام میں وہابیت کہا جاتا ہے"

۳۔ حق را بفریبد کہ نبی را بفریبد — آں شیخ...... کہ خود را مدنی خواند

(اقبال کے حضور، از: سید نذیر نیازی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۱ء، ص: ۱۶۶، ۲۶۱، ۲۷۴)

حسین احمد مدنی کی وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ/ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو ۳ بجے سہ پہر ہوئی اور دیوبند کے قبرستان قاسمی میں دفن ہوئے۔

(ماہنامہ "تجلی" دیوبند، مارچ، اپریل ۱۹۷۹ء، ص: ۲۱۶)

یادداشت:

بجنور میں مسلم لیگ ہار گئی۔ اسی دوران مولوی مدنی کے نام کانگرس کا سات سو کا منی آرڈر ایک مسلم لیگی کلرک نے پکڑ لیا، جس پر مولوی ظفر علی خاں نے لکھا:

غداریٔ وطن کا صلہ سات سو فقط — ایماں ہی بیچنا ہے تو سستا نہ کیجئے
بھرنا ہی پیٹ ہے تو طریقے ہیں اور بھی — دو روٹیوں پہ اسلام کو بیچا نہ کیجئے
شائستگی سے دیجئے گر بن سکے جواب — ورنہ ابھی سے مشق تبرا نہ کیجئے
اسلام کو نہ مفت میں بدنام کیجئے — حجرے میں جا کے بیٹھئے آرام کیجئے

(نوائے وقت، لاہور، ۴ نومبر ۱۹۴۵ء)

بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ

"اسعد مدنی اور پاکستان"

گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ علمائے دیوبند نے حسین احمد مدنی کی قیادت میں تحریک پاکستان کی ڈٹ کر مخالفت کی تھی۔ جب ان کی مرضی کے خلاف پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو اکثر دیوبندی مولوی چپکے سے پاکستان آ گئے اور قائد اعظم کے عفوِ عام سے غلط فائدہ اٹھا کر پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کرنے لگے۔ جب بھی موقع ملا قیام پاکستان پر براہ راست حملے کر کے کانگریس کی نمک خواری کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ہندوستان سے اپنے ساتھی کانگریس مولویوں کو بلا کر پاکستان کے خلاف زہر اگلوایا، چنانچہ حسین احمد مدنی کے صاحبزادے اسعد مدنی ہر سال پاکستان آ کر زیر زمین کارروائیاں کرتے رہے ہیں، مگر اس سال انہوں نے جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قیام پاکستان پر تابڑ توڑ حملے کیے۔ جامعہ مدنیہ کے ناظم اعلیٰ مولوی حامد میاں، نوابزادہ نصر اللہ خاں اور سامعین میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ اسعد مدنی کی زبان کو لگام دیتا، جس سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ مخالفین پاکستان نے ابھی تک قیام پاکستان کو تسلیم نہیں کیا اور ان سب کا خبث باطن ظاہر ہو گیا ہے۔

لیجئے! اب اسعد مدنی کی تقریر کی خبر جو روزنامہ "جنگ" لاہور مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی، ملاحظہ فرمائیے:

"لاہور (سٹاف رپورٹر) جمعیت علمائے ہند کے سربراہ مولانا سید اسعد مدنی نے کہا ہے کہ بھارت میں مسلمان کسی کے رحم و کرم پر نہیں بلکہ برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے گزشتہ روز جامعہ مدنیہ لاہور میں ایک اجتماع سے خطاب کیا۔ اس اجتماع میں نوابزادہ نصر اللہ خاں بھی موجود تھے۔ تقریب سے مولانا سراج احمد دین

پوری اور حافظ محمد یوسف نے بھی خطاب دیا۔ مولانا سید اسعد مدنی نے کہا کہ پاکستان بنانے والے بھارتی مسلمانوں کی آخری رسومات ادا کر آئے لیکن وہ آج بھی زندہ ہیں، مسلمانوں نے برصغیر میں دیگر تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد سے زیادہ قربانی دی تھی، انہوں نے بتایا کہ محمود الحسن کی تجویز پر ہی مہاتما گاندھی کو کانگرس کی قیادت کے منصب پر فائز کیا گیا تھا اور مسلمانوں نے مہاتما گاندھی کے دوروں کے لیے رقوم فراہم کیں۔ انہوں نے کہا کہ علمائے دین نے کانگرس کو انگریز کی غلامی اور ٹوڈیوں سے پاک کیا۔ کانگرس نے جمعیت علماء ہند کی قراردادوں کو اپنی قرارداد بنایا لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ جب انگریز بین الاقوامی صورت حال کے سبب کمزور ہوا۔ اور برصغیر پر مسلمانوں کی بالادستی کے امکان روشن ہو گئے تو مسلمانوں نے چھوٹے سے حصے کے لیے پورے ہندوستان سے دست برداری اختیار کر لی۔ انہوں نے کہا کہ اگر آج ہندوستان متحد ہوتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ۳۰ کروڑ ہوتی اور ہندوستان کے تمام شعبوں پر مسلمانوں کی بالادستی ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ بھارت میں موجود مسلمانوں کو ڈرایا گیا کہ انہیں ہندو کھا جائیں گے لیکن ان کو کسی نے ہضم نہیں کیا۔ مسلمان ہندوستان میں باعزت زندگی گزار رہے ہیں۔ بھارت میں مسلمان انتہائی طاقتور ہیں۔ اگر فوج اور پولیس نہ ہو تو مسلمان کسی وقت بھی بھارت کا نقشہ بدل سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہر زندہ قوم کی طرح بھارتی مسلمانوں کے بھی مسائل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کو قائد کی نہیں، خادموں کی ضرورت ہے۔"

اسعد مدنی کی اس پاکستان دشمنی کا منہ توڑ جواب روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے ۱۱ دسمبر ۱۹۸۴ء کے اداریے میں یوں دیا:

"لاہور میں گزشتہ روز جامعہ مدنیہ کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے بھارت کی جمعیت علماء کے صدر اور مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے صاحبزادے سید اسعد مدنی نے بعض متنازعہ باتیں کہیں ہیں اور ایسے موقع پر کہیں ہیں

جبکہ پاکستان میں ۱۹ دسمبر کو ایک فیصلہ کن ریفرنڈم کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مولانا کی باتوں کو چپکے سے برداشت کر لینا اور ان کا نوٹس نہ لینا پاکستان اور ملت پاکستان کی طرف سے بے اعتنائی برتنے کا ثبوت ہوگا۔ مولانا نے اپنی تقریر دلپذیر میں منجملہ اور امور کے یہ بھی ارشاد فرمایا اور تعلّی آمیز الفاظ میں فرمایا کہ آج بھارت میں مسلمان انتہائی طاقتور ہیں اور اگر (اور یہ اگر قابل غور ہے) بھارتی مسلمان فوج اور پولیس کے نرغے میں نہ ہوں تو وہ کسی وقت بھی بھارت کا نقشہ تبدیل کر سکتے ہیں۔ ان کے ان الفاظ پر ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ "چشم ماروشن دل ماشاد" لیکن اپنی اسی تقریر میں مولانا نے پاکستان کے متعلق بڑے طنزیہ انداز میں کہا کہ جب انگریز بین الاقوامی صورت حال کے سبب کمزور ہوا اور برصغیر پر مسلمانوں کی بالادستی کے امکان روشن ہو گئے تو مسلمانوں نے چھوٹے حصے کے لیے پورے برطانوی ہند سے دست برداری اختیار کر لی، اور بھارت کے ان علاقوں کو نظر انداز کر دیا جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور یہ الزام لگایا کہ جن لوگوں نے پاکستان بنایا تھا انہوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ بھارت میں مسلمان کسی اعتنا کے قابل نہیں۔

مولانا اسعد مدنی کا علمی مقام گو کیسا ہی بلند ہو لیکن انہوں نے اپنے علم اور اپنی دانش کو جس طرح بھارتی عندیہ اور بھارتی سیاست کے ماتحت پاکستان بیزاری میں صرف کیا ہے وہ کچھ خوش آئند بات نہیں۔ مولانا یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ صرف اکثریتی علاقوں کے مسلمانوں نے پاکستان کی طلب اور حمایت میں زور لگایا، لیکن مولانا غالباً یہ بھول گئے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجتماع میں جن بزرگوں نے پاکستان کے حق میں سب سے زیادہ مؤثر تقریریں کیں وہ سب اقلیتی صوبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ برصغیر کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو اس کا پوری طرح علم و احساس تھا کہ ان کے صوبے پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے۔ وہ یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ پاکستان کے قیام کے بعد کانگریس اور بھارت کی ہندو اکثریت ان کا یہ "جرم" کہ انہوں نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں پاکستان کے حق میں بڑھ چڑھ کر ووٹ دیا،

جبکہ پاکستان میں ۱۹ دسمبر کو ایک فیصلہ کن ریفرنڈم کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مولانا کی باتوں کو چپکے سے برداشت کر لینا اور ان کا نوٹس نہ لینا پاکستان اور ملت پاکستان کی طرف سے بے اعتنائی برتنے کا ثبوت ہوگا۔ مولانا نے اپنی تقریر دلپذیر میں منجملہ اور امور کے یہ بھی ارشاد فرمایا اور تعلّی آمیز الفاظ میں فرمایا کہ آج بھارت میں مسلمان انتہائی طاقتور ہیں اور اگر (اور یہ اگر قابل غور ہے) بھارتی مسلمان فوج اور پولیس کے نرغے میں نہ ہوں تو وہ کسی وقت بھی بھارت کا نقشہ تبدیل کر سکتے ہیں۔ ان کے ان الفاظ پر ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ''چشم ماروشن دل ماشاد'' لیکن اپنی اسی تقریر میں مولانا نے پاکستان کے متعلق بڑے طنزیہ انداز میں کہا کہ جب انگریز بین الاقوامی صورت حال کے سبب کمزور ہوا اور برصغیر پر مسلمانوں کی بالادستی کے امکان روشن ہو گئے تو مسلمانوں نے چھوٹے حصے کے لیے پورے برطانوی ہند سے دست برداری اختیار کر لی، اور بھارت کے ان علاقوں کو نظر انداز کر دیا جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور یہ الزام لگایا کہ جن لوگوں نے پاکستان بنایا تھا انہوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ بھارت میں مسلمان کسی اعتنا کے قابل نہیں۔

مولانا اسعد مدنی کا علمی مقام گو کیسا ہی بلند ہو لیکن انہوں نے اپنے علم اور اپنی دانش کو جس طرح بھارتی عندیہ اور بھارتی سیاست کے ماتحت پاکستان بیزاری میں صرف کیا ہے وہ کچھ خوش آئند بات نہیں۔ مولانا یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ صرف اکثریتی علاقوں کے مسلمانوں نے پاکستان کی طلب اور حمایت میں زور لگایا، لیکن مولانا غالباً یہ بھول گئے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجتماع میں جن بزرگوں نے پاکستان کے حق میں سب سے زیادہ مؤثر تقریریں کیں وہ سب اقلیتی صوبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ برصغیر کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو اس کا پوری طرح علم و احساس تھا کہ ان کے صوبے پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے۔ وہ یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ پاکستان کے قیام کے بعد کانگریس اور بھارت کی ہندو اکثریت ان کا یہ ''جرم'' کہ انہوں نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں پاکستان کے حق میں بڑھ چڑھ کر ووٹ دیا،

کبھی معاف نہیں کرے گی اور انہیں اس کی کڑی سزا دے گی، مگر اس کے باوجود انہوں نے محض اس لیے یہ قربانی دی کہ چند کروڑ مسلمان بھائی تو کم سے کم ہندو تعصب کی زد سے آزاد ہو کر ایک آزاد اسلامی مملکت کی فضا میں آزادی کا سانس لیں گے اور اسلام کے مطابق اپنی زندگی گزاریں گے۔ ان کی یہ قربانی رنگ لے آئی اور بحمد اللہ آزاد جمہوریہ پاکستان قائم ہو گیا، جو آج بھی امن کا گہوارہ ہے۔ بھارتی مسلمان پاکستان بنانے کی قیمت آج بھی ادا کر رہے ہیں جبکہ موجودہ بھارتی مسلمان نسل کا قیام پاکستان سے کوئی تعلق نہیں۔

مولوی مدنی نے جو کہا ہے کہ بھارت میں فوج اور پولیس نہ ہو تو مسلمان کسی وقت بھی بھارت کا نقشہ بدل سکتے ہیں۔ تو ان سے یہ پوچھنا بے جا نہ ہو گا کہ کیا کوئی ملک فوج اور پولیس کے بغیر قائم رہ سکتا ہے؟ خاص طور پر بھارت جیسا ملک جو "منی پاور" بننے کے لیے دیوانہ وار تیاریاں کر رہا ہے۔ مولانا نے نوید مسرت سنائی ہے کہ بھارت کے مسلمان اپنے ملک میں باعزت زندگی گزار رہے ہیں اور انتہائی طاقتور ہیں۔ مولانا بتا سکتے ہیں کہ فوج اور پولیس میں مسلمانوں کی کتنی نمائندگی ہے؟ محض ایک دو فیصد، اور بھارت کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی صدیوں حکومت رہی، جیسے حیدر آباد دکن وہاں کے مسلمان آج کس زبوں حالی کا شکار ہیں۔ دارالحکومت "دہلی شریف" میں مسلمانوں کی حالت زار کس سے پوشیدہ ہے؟ مولانا کا یہ ارشاد بھی محل نظر ہے کہ اگر پاکستان نہ بنتا تو بھارت میں مسلمانوں کی تعداد تیس کروڑ ہوتی اور بھارت کے تمام شعبہ ہائے حیات پر مسلمانوں کی بالادستی ہوتی۔ مولانا مدنی غالباً بھول گئے کہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کی رو سے جب ۱۹۳۷ء میں برطانوی ہند کے گیارہ میں سے سات صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قائم ہوئیں تو صرف اڑھائی برس کی سقہ شاہی میں ان سات صوبوں کے مسلمانوں پر کیا بیتی؟ غالباً مولانا اسعد مدنی کی نظروں سے پیر پور کمیٹی کی رپورٹ نہیں گزری۔ پھر ۱۹۴۷ء میں کانگریس نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا۔ اسے کیا مولانا صاحب فخر کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں؟

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، اگرچہ مولانا کی تقریر کا ۱۹ دسمبر کو ہونے والے ریفرنڈم سے کوئی تعلق نہیں، تاہم انہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت میں وعظ فرما کر ریفرنڈم کو تقویت پہنچائی ہے، کیونکہ ریفرنڈم نظریہ پاکستان پر بھی ہو رہا ہے۔

حیرت ہے کہ اس اجتماع میں نواب زادہ نصر اللہ خاں بھی موجود تھے اور مولانا سراج دین پوری اور حافظ محمد یوسف نے بھی خطاب کیا۔ مگر پاکستان کی مخالفت کے مسائل پر اگر نواب زادہ صاحب نے خاموشی ہی میں مصلحت سمجھی تو دوسرے دو علماء نے پاکستان کے امور میں مولانا مدنی کی بے جا مداخلت پر ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اگر کہا ہے تو وہ اخبارات میں رپورٹ نہیں ہوا۔

اگر مولانا یہ سمجھتے ہوں کہ مسلمانوں کو بھارت نوازی کا صلہ بھارت میں ضرور مل جاتا تو وہ بہت دور نہ جائیں، حال ہی کے واقعہ پر غور کریں کہ سکھوں کو ہندو اور کانگریس سے انتہائی وفاداری اور مسلم آبادی کو پاکستان طرف کھدیڑنے، اجاڑنے اور قتل کرنے کا صلہ کیا ملا؟ سکھوں کو انہوں نے اپنا سپاہی اور محافظ قرار دیکر مسلمانوں کے قتل و استہلاک پر اکسایا، اور سکھوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر کانگریس کی خدمت کی، آج ان کا بھارت میں کیا حال ہے؟ اور ان کے ساتھ مسلمانوں کو جس طرح بے خطا مارا جا رہا ہے کیا اس پر کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہے؟ کیا دہلی اور کلکتہ کے حالیہ مسلم کش فسادات کو مولانا درخور اعتنا نہیں سمجھتے؟ اسعد مدنی ہمارے مہمان ہیں مگر ہم بڑے ادب کیساتھ ان سے گزارش کریں گے کہ وہ ہمارے معاملات میں مداخلت نہ فرمائیں اور جس طرح مولانا ابوالکلام آزاد اور عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہم نے یہ کہہ کہ خاموشی اختیار کر لی تھی کہ جب پاکستان بن چکا ہے تو ہماری مخالفت کا باب بند ہو چکا۔ اب ہماری تمنا اور دعا یہ ہے کہ پاکستان قائم رہے اور پاکستان کے مسلمان ترقی کریں۔ پاکستان مضبوط ہو۔ بھارت کے مسلمانوں کی اسی میں بقا اور عافیت ہے۔ اگر اسعد مدنی اپنے اُن بزرگوں کا یہ طرز عمل اختیار نہیں کر سکتے تو ان کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنی زبان بند رکھیں۔ کم سے کم پاکستان میں۔"

تحریک پاکستان اور "اہلحدیث"

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہو یا تحریک پاکستان، علمائے اہلحدیث نے ہر مقام پر مسلم مفاد سے غداری کر کے انگریز اور کانگریس کی کاسہ لیسی کی ہے۔ جہاد ۱۸۵۷ء میں مجاہد کبیر حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا کفایت علی کافی، مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی، مولانا منشی رسول بخش کاکوری، مولانا مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا امام بخش صہبائی اور ان کے ہزاروں ساتھی علماء انگریز بہادر کے خلاف فتویٰ جہاد کا اعلان کر کے میدان کارزار میں داد شجاعت دے رہے تھے تو نام نہاد اہلحدیث حضرات کے اکابرین انگریزی مفادات کا تحفظ کر رہے تھے۔ پیشوائے علماء اہلحدیث (وہابیہ) میاں نذیر حسین دہلوی اور ان کے ساتھیوں نے انگریز بہادر کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ چنانچہ میاں صاحب نے انگریز عورتوں کو اپنے ہاں پناہ دی۔ ان کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ مجاہدین آزادی کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ اور پھر بعد میں انگریز حکومت سے نقد انعامات، جاگیر اور "شمس العلماء" کا خطاب حاصل کیا۔ میاں صاحب کی انگریز دوستی کی اس طویل داستان کو اُن کے سوانح نگار مولوی فضل حسین بہاری نے "الحیات بعد الممات" مطبوعہ مکتبہ شعیب حدیث منزل کراچی نمبر ۱ ۱۹۵۹ء کے صفحہ ۱۲۴ تا ۱۴۰ میں بڑی شدومد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ صفحہ ۱۲۵ پر جہاد ۱۸۵۷ء کے متعلق میاں صاحب کے ارشادات یوں درج فرمائے ہیں۔ پڑھئے اور سر پیٹیے:

"میاں وہ ہلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بے چارا بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا۔ حشرات الارض خانہ بر اندازوں نے تمام دہلی کو خراب، ویران، تباہ اور برباد کر دیا۔ شرائط امارت و جہاد بالکل مفقود تھے، ہم نے تو اس فتویٰ پر دستخط نہیں کیا مہر کیا کرتے

اور کیا لکھتے۔ مفتی صدرالدین خان صاحب چکر میں آ گئے۔

بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے مگر وہ باغیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے، کرتے تو کیا کرتے۔"

قارئین کرام میاں صاحب کے مندرجہ بالا ارشادات بغور مطالعہ فرمائیں اور خود فیصلہ فرمائیں کہ میاں صاحب کن روپہلی مصلحتوں کا شکار ہو کر انگریز بہادر کا ساتھ دے رہے تھے۔ اگر میاں صاحب کے بقول "شرائط امارت و جہاد بالکل مفقود تھے" تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو علمائے حق اس جہاد میں حصہ لے رہے تھے وہ سب کے سب راہ حق سے فرار کر کے خواہ مخواہ اپنی جانیں ضائع کر رہے تھے۔ کیا میاں صاحب کے پیروکار اس گتھی کو سلجھانے کی سعی فرمائیں گے۔

میاں صاحب کی اسی سوانح عمری کے صفحہ ۱۲۷ پر لکھا ہے کہ انہیں انگریز عورتوں کی جانیں بچانے کے صلے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور خوشنودی کے سرٹیفکیٹ ملے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۰ پر "شمس العلماء" کا خطاب ملنے کا بھی تذکرہ ہے کہ ۲۲ جون ۱۸۹۷ء کو آپ کو اس خطاب سے نوازا گیا۔

مشہور مؤرخ رئیس احمد جعفری نے انگریز عورتوں کی جانیں بچانے کا ذکر یوں کیا ہے۔

"مولوی محمد نذیر حسین صاحب، مولوی عبدالرب اور مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب نے غدر میں ایک دو میموں اور بچوں کو اپنے گھر میں چھپایا تھا۔ اس صلہ میں انگریزوں نے ان کو انعام دیا اور ان کی خیر خواہی کی قدر کی۔

(بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۹ء، ص: ۲۹۷)

مشہور اہلحدیث رہنما میر محمد ابراہیم سیالکوٹی یوں رقمطراز ہیں:

"جون ۱۸۹۷ء مطابق محرم ۱۳۱۵ھ میں آپ کو گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔ جب لوگ خلعت و خطاب کے ساتھ میاں صاحب

سے ملے اور آپ کو اس سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا:

ہم غریب آدمی خلعت وخطاب لے کر کیا کریں گے، خلعت وخطاب تو بڑے آدمیوں کو ملنا چاہیئے۔ ہم کو دنیا لا حاصل ہے۔ بعد اس گفت وشنید کے آپ نے اسی قدر فرمایا۔ اچھا صاحب آپ حاکم ہو، جو چاہو کہو۔"

(تاریخ اہلحدیث، مطبوعہ لاہور: ۱۹۷۰ء، ص ۴۲۱)

پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں کہ

"مولوی نذیر حسین کو اس (میم کی جان بچانے کے صلے میں) ایک ہزار تین سو روپے انعام ملا۔ اس سلسلے میں ایک سرٹیفکیٹ میاں نذیر حسین کی سوانح عمری سے نقل کیا جاتا ہے۔

ڈبلیو جی۔ واٹر فیلڈ۔ قائم مقام کمشنر دہلی

"مولوی نذیر حسین اور ان کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوئے، حالتِ مجروحی میں انہوں نے اُن کا علاج کیا، ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو پہنچادیا۔"

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، مطبوعہ: کراچی ۱۹۷۶ء، ص: ۴۱۰)

صفحہ ۴۱۱ پر ڈاکٹر قادری صاحب ایک نہایت دلچسپ واقعہ درج فرماتے ہیں جس سے اہلحدیث حضرات کے اکابرین کی انگریز دوستی، مفاد پرستی اور ذہنی پستی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"مسز لیسنس کی جان بچانے میں شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد بھی شامل تھے اور بقول افتخار عالم مارہروی اس انگریز خاتون کو وہی اٹھا کر لائے تھے اور جنگ آزادی کے بعد جب ڈپٹی نذیر احمد ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے تو میاں نذیر حسین کے صاحبزادے مولوی شریف حسین (ف ۱۳۰۴ھ) نے اس کو اپنے باپ کا حق سمجھا۔ مولوی افتخار عالم

مارہروی لکھتے ہیں: ''مولوی شریف حسین نے دعویٰ کیا کہ مولوی نذیر احمد صاحب کو جو نوکری مل گئی ہے وہ میرے باپ نذیر حسین کا حق ہے ......ان لغو باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ دونوں خاندانوں میں تا ایں دم صفائی نہیں ہوئی۔''

قارئین کرام خود ہی اکابرین اہلحدیث کے کردار کا جائزہ لے کر نتیجہ اخذ کر لیں، ہم اپنی طرف سے کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتے۔ اہلحدیث حضرات جو میاں صاحب کو جنگ آزادی کا ہیرو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور ''اتنا جھوٹ بولو کہ وہ سچ مانا جائے'' کے مقولہ پر عمل پیرا ہیں، بھی توجہ فرمائیں۔

آپ بھی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

بٹالوی:

مولوی محمد حسین بٹالوی نے دل کھول کر حکومت برطانیہ کی حمایت کی اور اپنی جماعت کے لیے ''وہابی'' کے بجائے ''اہلحدیث'' کا نام مروج و مشتہر کیا۔ حکومت برطانیہ کی وفاداری کا بیانگ دُل اعلان کیا اور سرکاری کاغذات و تحریرات میں ''وہابی'' کے بجائے ''اہلحدیث'' لکھے جانے کے باقاعدہ احکام جاری کرائے۔

قارئین کرام اندازہ فرمائیں کہ جو جماعت یا گروہ اپنی پہچان انگریز سے کرواتی ہے اور اپنے آپ کو اہلحدیث لکھوانے اور کہلانے کے لیے حکومت برطانیہ کی محتاج ہے وہ انگریز بہادر کی منشاء کے مطابق اپنی پالیسیاں وضع نہ کرے تو کیا کرے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری وہابی بڑے فخر کے ساتھ لکھتے ہیں کہ

''اہلحدیث کو سرکاری دفتروں میں وہابی لکھنے کی ممانعت ہے۔ ملاحظہ ہو چٹھی گورنر ہند بنام گرمنٹ پنجاب مورخہ ۳ دسمبر ۱۸۸۶ء نمبری ۱۷۵۸۔''

(اہلحدیث کا مذہب، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء، ص۔ ۱۰۷، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء، ص: ۱۱۳)

مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکار برطانیہ کی وفاداری میں جہاد کی منسوخی پر

ایک مستقل رسالہ ''اقتصاد فی المسائل الجہاد'' ۱۲۹۲ھ میں لکھا۔ انگریزی اور عربی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ یہ رسالہ سر چارلس اپچی سن اور سر جیمس لائل، گورنران پنجاب کے نام معنون کیا گیا۔ مولوی محمد حسین نے اپنی جماعت کے علماء سے رائے لینے کے بعد ۱۲۹۶ھ میں یہ رسالہ ''اشاعت السنہ'' کی جلد دوم، شمارہ گیارہ میں بطور ضمیمہ شائع کیا۔ پھر مزید مشورہ و تحقیق کے بعد ۱۳۰۶ھ میں باضابطہ کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اس سلسلے میں خود مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

''اگرچہ اس مضمون میں منسوخی جہاد کے رسائل گورنمنٹ اور ملک کے اور خیر خواہوں نے بھی لکھے ہیں، لیکن جو ایک خصوصیت اس رسالے میں ہے وہ آج تک کسی تالیف میں پائی نہیں جاتی۔ وہ یہ ہے کہ یہ رسالہ صرف مؤلف کا خیال نہیں رہا۔ اس گروہ کے عوام وخواص نے ...... اس کو پسند کیا و راس سے اپنی آرا کا توافق ظاہر کیا۔ اس توافق رائے حاصل کرنے کے لیے مؤلف (مولوی محمد حسین بٹالوی) نے عظیم آباد پٹنہ تک ایک سفر کیا تھا جس میں لوگوں کو یہ رسالہ سنا کر اتفاق حاصل کیا اور جہاں خود نہیں پہنچا وہاں اس رسالہ کی متعدد کاپیاں ارسال کر کے توافق حاصل کیا۔''

(رسالہ اشاعت السنہ، لاہور، جلد: ۸، نمبر ۵، ص: ۲۶۱، ۲۶۲، بحوالہ جنگ آزادی، از: ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ص: ۶۴)

مولوی محمد حسین بٹالوی کے اس کارنامہ کا ذکر کرتے ہوئے مولوی مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

''اس کتاب پر (مولوی محمد حسین بٹالوی) انعام سے بھی سرفراز ہوئے۔ جماعت اہلحدیث کو فرقے کی شکل دینے میں ان کا خاص حصہ ہے، اور یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خوب بو پیدا کی، نہ صرف یہ ہوا بلکہ دوسرے معاصر علماء کو سرکار کی مخالفت کے طعنے بھی دیئے۔''

یہی مولوی مسعود عالم ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں ''جاگیر'' بھی ملی تھی۔''

اس رسالے کا پہلا حصہ پیش نظر ہے پوری کتاب تحریف و تدلیس کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص: ۲۱۲، ۲۹، بحوالہ جنگ آزادی: ۱۸۵۷ء، از: پروفیسر محمد ایوب قادری، ص: ۶۴، ۶۵۔ حیات سید احمد شہید، از: محمد جعفر تھانیسری، مقدمہ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء، ص: ۲۵، ۲۶)

مولوی عبدالمجید خادم سوہدروی وہابی اس سلسلہ میں یوں گویا ہیں:

(مولوی محمد حسین بٹالوی نے) اشاعۃ السنہ کے ذریعے اہلحدیث کی بہت خدمت کی۔ لفظ ''وہابی'' آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا۔ اور جماعت کو ''اہلحدیث'' کے نام سے موسوم کیا گیا...... (آپ نے) حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔''

(سیرت ثنائی، مطبوعہ: گوجرانوالہ ۱۹۵۲ء، ص: ۳۷۲، بحوالہ جنگ آزادی، ص: ۶۵)

مشہور مورخ ڈاکٹر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

''انہوں نے (مولوی محمد حسین بٹالوی) نے ارکانِ جماعت اہلحدیث کی ایک دستخطی درخواست لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کے ذریعے سے وائسرائے ہند کی خدمت میں روانہ کردی، اس درخواست پر سرفہرست شمس العلماء میاں نذیر حسین (دہلوی) کے دستخط تھے۔ گورنر پنجاب نے وہ درخواست اپنی تائیدی تحریر کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیج دی، وہاں سے حسب ضابطہ منظوری آگئی۔ کہ آئندہ وہابی کے بجائے ''اہلحدیث'' کا لفظ استعمال کیا جائے لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے باقاعدہ اس کی اطلاع مولوی محمد حسین کو دی۔ اسی طرح گورنمنٹ مدراس کی طرف سے ۱۵ اگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۲۷، گورنمنٹ بنگال کی طرف سے ۲۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر

۳۸۶، گورنمنٹ سی پی کی طرف سے ۱۴ جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۴۰۷، اور گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے ۴ اگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۳۲، اس امر کی اطلاع مولوی محمد حسین بٹالوی کو ملی۔ (جنگ آزادی، ۱۸۵۷ء، ص: ۶۵، ۶۶)

مولوی محمد حسین بٹالوی نے خوشامد اور کاسہ لیسی کی حد کر دی، وہ لکھتے ہیں۔

"اس گروہ اہلحدیث کے خیر خواہ وفادار رعایا برٹش گورنمنٹ ہونے پر ایک بڑی اور روشن اور قوی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور اس امر کو اپنے قومی وکیل اشاعۃ السنہ کے ذریعے سے جس کے نمبر ۱۰ جلد نمبر ۶ میں اس امر کا بیان ہوا ہے۔ (اور وہ نمبر ہر ایک لوکل گورنمنٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا میں پہنچ چکا ہے) گورنمنٹ پر بخوبی ظاہر اور مدلل کر چکے ہیں جو آج تک کسی اسلامی فرقہ رعایا گورنمنٹ نے ظاہر نہیں کیا اور نہ آئندہ کسی سے اس کے ظاہر ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔"

(رسالہ اشاعۃ السنہ، جلد: ۸، شمارہ: ۹، ص: ۲۶۲، بحوالہ حیات سید احمد شہید (مقدمہ (ص: ۲۷)

اسی طرح ملکہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی پر جو ایڈریس محمد حسین بٹالوی نے گروہ اہلحدیث کی طرف سے پیش کیا تھا اس میں لکھا تھا:

"یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اس سلطنت میں حاصل ہے، بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ اس خصوصیت سے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے زیادہ مسرت حاصل ہے اور ان کے دل سے مبارکباد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں۔"

(اشاعۃ السنہ، جلد ۹، شمارہ: ۷، ص ۲۰۵، ۲۰۶، بحوالہ جنگ آزادی صفحہ ۶۷)

اسی طرح لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند کی سبکدوشی پر جماعت اہلحدیث نے ایک خوشامدانہ ایڈریس دیا، جس پر سب سے پہلے شمس العلماء میاں نذیر حسین کے

دستخط ہیں۔اس کے بعد ابو سعید محمد حسین وکیل اہلحدیث، مولوی احمد اللہ واعظ میونسپل کمشنر امرتسر، مولوی قطب الدین پیشوائے اہلحدیث روپڑ، مولوی حافظ عبداللہ غازی پوری، مولوی محمد سعید بنارسی، مولوی ابراہیم آرہ اور مولوی نظام الدین پیشوائے اہل حدیث مدراس کے دستخط ہیں۔ (جنگ آزادی،۱۸۵۷ء، ص:۶۷)

مولوی محمد حسین بٹالوی کی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

''ان بیچاروں کو یہ ہوش نہیں رہا کہ وہ اپنے کو سرکار کی زد سے بچانے کی فکر میں کیا کر رہے ہیں اور اپنے ماننے والوں کو کس پستی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب اور ان ہی جیسے بعض علمائے اہلحدیث کی روش کا یہ نتیجہ ہوا کہ موجودہ اہلحدیث کا عام رجحان فروعی مسئلوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔''

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص:۲۹، بحوالہ جنگ آزادی، ص:۶۷، ۶۸)

مشہور اہلحدیث عالم سلیمان ندوی اس صورت حال پر یوں تبصرہ کرتے ہیں

''اہلحدیث کے نام سے اس وقت بھی جو تحریک ہے حقیقت کی رو سے وہ قدم نہیں۔ نقش قدم ہے۔ مولانا اسماعیل شہید جس تحریک کو لے کر اٹھے تھے وہ فقہ کے چند مسائل نہ تھے بلکہ امامت کبریٰ، توحید خالص اور اتباع نبی کریم ﷺ کی بنیادی تعلیمات تھیں۔ مگر افسوس ہے کہ سیلاب نکل گیا اور باقی جو رہ گیا ہے۔ وہ گزرے ہوئے پانی کی فقط لکیر ہے۔''

(تراجم علمائے حدیث ہند، از: ابو یحییٰ نوشہروی، (مقدمہ) مطبوعہ لائل پور ۱۳۹۱ھ، صفحہ:۳۱)

اس تمام بحث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہلحدیث حضرات شروع سے ہی انگریزوں کے وفادار، نمک خوار اور خیر خواہ ہیں۔ ۱۸۸۸ء سے پہلے ''وہابی'' کے نام سے متعارف تھے اور پھر انگریزی حکومت کی منظوری سے ''وہابی'' سے ''اہل حدیث'' بن گئے۔ اور پھر تا قیام پاکستان انگریزی مشن کیلئے ہمہ تن مصروف رہے۔ اگر ۱۹۴۷ء

میں پاکستان نہ بنتا تو نہ جانے یہ حکومت برطانیہ کی سرپرستی میں مرزا قادیانی سے بھی چند قدم آگے نکل جاتے۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم نے اس گروہ کی انگریز نواز پالیسی پر کیا خوب تبصرہ فرمایا ہے، پڑھیے اور سر دھنیے:

''مولوی محمد حسین بٹالوی کی پوری پالیسی میں شمس العلماء شیخ الکل میاں نذیر حسین ممد و معاون بلکہ سرپرست و سرخیل رہے اور صادق پور کی بجائے مرکز قیادت دہلی و لاہور منتقل ہو گیا۔ پھر بیسوی صدی کے آغاز پر دسمبر ۱۹۰۶ء میں بمقام آرہ (بہار) آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس وجود میں آئی جس کے سب سے فعال رکن ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ اہل حدیث کانفرنس کی کارروائی کم و بیش مولوی محمد حسین بٹالوی ہی کے انداز پر رہی۔'' (گویا انگریز پرستی ان کا مطمع نظر اور وظیفہ حیات ٹھہرا)

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص:۶۸، مقدمہ حیات سید احمد شہید، ص:۲۸)

صدیق حسن: اہل حدیث حضرات کے بہت بڑے گرو نواب صدیق حسن بھوپالی نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو غدر قرار دیا اور جہاد کا فتویٰ دینے والوں کو خوب کوسا۔ ملاحظہ ہو:

''ہم کو بڑا تعجب آتا ہے ان لوگوں پر جنہوں نے غدر میں بغیر وجود شرائط کے اور بغیر وجود امام کے اور بغیر اتباع شرع کے، باوجود قتل کرنے لڑکوں اور عورتوں کے، جو محض بے گناہ تھے کیونکر فتویٰ دے دیا، کہ یہ ہڑبونگ جاہلوں کا اور بہبر مفسدوں کا اور جمگھٹا بے وقوفوں کا جہاد ہے۔'' (ترجمان وہابیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۱۲ھ، در مطبع محمد، ص:۱۶)

نواب صاحب مزید لکھتے ہیں:

''جہاد اور جنگ مذہبی بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا بمقابلہ اُس حاکم کے کہ جس نے آزادی مذہبی دے رکھی ہے از روئے شریعت اسلام عموماً خلاف وممنوع ہے، اور وہ لوگ جو بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا کسی اس بادشاہ کے کہ جس نے آزادگی

مذہبی دے رکھی ہے، ہتھیار اٹھاتے ہیں اور مذہبی جہاد کرنا چاہتے ہیں۔ کل ایسے لوگ باغی ہیں اور مستحق سزا کے مثل باغیوں کے شمار ہوتے ہیں۔" (ترجمانِ وہابیہ، ص:٦١)

نواب صاحب کے ان ارشادات عالیہ کے مطابق جنگ آزادی ١٨٥٧ء "جہاد" نہیں بلکہ "غدر" تھا اور اس میں حصہ لینے والے "باغی" اور "مستحق سزا" تھے۔ تو گویا تمام علماء ومشائخ، قومی رہنما اور بہادر شاہ ظفر جنہوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا، وہ سب کے سب باغی تھے اور اس جہاد میں شریک ہونے والے، گولی کا نشانہ بننے والے، سولی پر چڑھنے والے اور گوناگوں قسم کی سزائیں اور صعوبتیں برداشت کرنے والے سب کے سب راہ حق اور صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے تھے، صرف نواب صاحب اور ان کے ساتھی ہی حق پر تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ ان کا مذہب انگریز پرستی تھا۔ اور ان کے نزدیک حق وصداقت کا معیار سلطنت برطانیہ کی وفاداری تھا۔

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پر یہ بدادا نہ دے

دل تو چاہتا ہے کہ نواب صاحب کی انگریز پرستی کے مزید واقعات عرض کروں مگر طوالت کے خوف سے انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ قارئین اگر مزید تحقیق وجستجو کی خواہش رکھتے ہیں تو نواب صاحب کی کتاب "ترجمان وہابیہ" کا مطالعہ فرمائیں جو تمام کی تمام انگریز پرستی اور ضمیر فروشی کی مظہر ہے۔

تحریک "مجاہدین" کا کردار:

وہابی حضرات بڑے زور وشور سے "تحریک مجاہدین" کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اس کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے زمین وآسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہیں، آیئے ذرا اس تحریک کے ایک عینی شاہد مولوی محمد علی قصوری کی زبانی اس تحریک کی داستان سن لیجئے، وہ لکھتے ہیں کہ

"امیر نعمت اللہ مرحوم ایک بھاری بھرکم، خوبصورت، وجیہ، دراز قامت نوجوان تھے۔ گفتگو میں نہایت شائستہ، متین اور سنجیدہ تھے۔ بڑے زیرک اور مردم

شناس آدمی تھے۔ اُن کے خطبات کافی دلنشین ہوتے تھے۔ خوبصورت ترشی ہوئے داڑھی، سر پر خوبصورت ستھرے پٹے رکھتے تھے۔ لباس میں پٹنہ اور یوپی کا قدیم غرارہ اور لمبا کرتہ، تکمہ دار صدری پہنتے تھے۔ سر پر عمامہ اور ہاتھ میں نفیس چھڑی۔ مسلمان امراؤ مشائخ کی طرح عورتوں کے بے حد شوقین تھے۔ تین تو ان کی نکاحتا بیویاں تھیں اور دس بارہ نہایت خوبصورت لڑکیاں بطور خادماؤں کے رکھتے تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں کی طرح امیر نعمت اللہ کا بھی زیادہ وقت انہیں نوجوان لڑکیوں سے لہو و لعب میں گزرتا تھا۔

"امیر نعمت اللہ کی اولاد نرینہ میں سے سب سے بڑا لڑکا برکت اللہ تھا جو غالباً اس وقت نو سال کا تھا۔ لڑکا خاصا خوبصورت اور بگڑا ہوا صاحبزادہ تھا۔ ہر وقت دو تین اوباش نوجوان اس کی مصاحبت میں رہتے اس لیے اس کا آوارہ ہونا لابدی تھا۔ میں نے بسا اوقات اس کے والد پر زور دیا کہ برکت اللہ کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیں کیونکہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے مسلمان امراء کے بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہوں۔ قیصر ولیم کے شہزادوں کے واقعات اور پرنس آف ویلز (سابق کنگ ایڈورڈ ہشتم) کے واقعات سنا سنا کر انہیں غیرت دلاتا کہ کفار امراء کے بیٹے تو ایسے ماحول میں پرورش پائیں اور ہمارے امراء کے چشم و چراغ کی اٹھان ایسی بری ہو، مگر امیر صاحب پر کچھ اثر اس کا نہ ہوا، اور نہ ہو سکتا تھا۔"

"امیر صاحب کی خادماؤں میں سے کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو اس کے بچے کو پیدائش کے بعد گلا گھونٹ کر چپکے سے دریا برد کر دینا، امیر صاحب کی عادت تھی کہ ان خادماؤں کو اکثر بدلتے رہتے تھے، جو خادمائیں اس طرح الگ کی جاتی تھیں، ان کی شادیاں انہی لوگوں (امیر صاحب کے خدام) میں سے ایک سے کر دی جاتی تھی اور اسے نہایت عمدہ جہیز اور ماہوار خرچ مل جاتا تھا۔ اور یہ امر اس درجہ افسوس ناک تھا کہ ان میں سے جو لڑکی غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی وہ شادی کے بعد بھی امیر

صاحب کی توجہات کا مرکز بنی رہتی تھی۔"

"رحمت اللہ (امیر نعمت اللہ کا بھائی) بھی اپنے بھائی کی طرح بہت بدچلن اور آوارہ مزاج نوجوان تھے۔ اگر امیر نعمت اللہ کو لڑکیوں کی محبت نے معطل کر رکھا تھا تو انہیں نوجوان لڑکوں کی محبت نے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر رکھا تھا۔"

(مشاہدات کابل و یاغستان، از۔ مولوی محمد علی قصوری، مطبوعہ: انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ص: ۱۰۸ تا ۱۱۱)

اب ہم اپنے اصل موضوع تحریک پاکستان کی طرف آتے ہیں کہ اس تحریک میں وہابی حضرات (انگریز بہادر سے منظوری لینے کے بعد اہلحدیث) نے کس طرح مسلم لیگ، قائداعظم اور تحریک پاکستان کی مخالفت کی اور کانگرس کی حمایت میں اپنے روز و شب کس طرح بسر کیے۔ مندرجہ بالا تمہید اس لیے باندھی گئی ہے تاکہ قارئین کو اہلحدیث حضرات کی پاکستان دشمنی کے پس منظر کا پتہ چل سکے کہ جس گروہ کا خمیر ہی انگریز دوستی اور اسلام دشمنی سے اٹھایا گیا ہے وہ پاکستان کا حامی کیسے ہو سکتا ہے۔

غزنوی:

اہلحدیث حضرات بڑا شور مچاتے ہیں کہ مولانا محمد داؤد غزنوی نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور مسلم لیگ میں شامل رہے۔ آیئے! ذرا دیکھیں کہ حقیقت کیا ہے اور ان کے پیروکار کیا رنگ دے رہے ہیں۔

داؤد غزنوی ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت میں شامل ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں جمعیت علمائے ہند کے رکن بن گئے۔ ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار کے بانی بنے۔

۱۹۴۲ء میں کانگریس میں شمولیت کر کے ہندو آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے مسلم لیگ کی مخالفت کرنے لگے۔ پنجاب کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اور کانگریس کے ٹکٹ پر ہی پنجاب اسمبلی کے رکن مبانی بنے۔

(سیدی والی، از۔ سید ابوبکر غزنوی، مطبوعہ: لاہور، ۱۹۷۴ء، ص: ۲۴۶، ۲۴۷)

اس دوران مولانا داؤد غزنوی نے تحریک پاکستان کی جو مخالفت کی وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے اور ان کا یہ کارنامہ تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی کہ وہ کانگریس اور یونینسٹ پارٹی سے روپیہ لا کر مجلس احرار کو دیتے تھے اور احرار رہنما گز گز بھر کی زبانیں نکال کر حضرت قائداعظم اور مسلم لیگ کو گالیاں دیتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے پہلی قسط کے طور پر دس ہزار روپیہ لا کر دیا جس کی تقسیم پر احرار رہنماؤں میں جوتیوں میں دال بٹی اور دست و گریبان ہوتے رہے۔

(پروفیسر وارث میر، ایک پہلو یہ بھی ہے احرار کی تاریخ کا، مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت، ۱۱۰ کتوبر ۱۹۸۲ء)

اس رقم کے بارے میں شورش کاشمیری مجلس احرار کے مرکزی لیڈر مولانا مظہر علی اظہر کو موردالزام ٹھہراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کانگریس سے مولانا نے ساٹھ ہزار روپیہ لیا، دس ہزار کی پہلی قسط اور پچاس ہزار کی دوسری قسط، پہلی قسط مولانا داؤد غزنوی نے دفتر احرار میں دی تھی، دوسری قسط لالہ بھیم سین سچر کی معرفت آئی۔"

(بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغ محفل، جلد: اول، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص: ۳۴۳)

داؤد غزنوی کانگریس کے رنگ میں اس قدر رنگ چکے تھے کہ انہیں دوران سفر کسی مسلمان کا پکا ہوا کھانا پسند ہی نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی انہیں مسجد میں نماز پڑھنے سے سکون ملتا تھا۔ انہیں تو ہندوؤں کے گھر کا کھانا اور انہیں کے گھر میں نماز ادا کرنے سے کیف و سرور حاصل ہوتا تھا۔ جھنگ کے مسلم لیگی رہنما شیخ محمد سعید ایک واقعہ لکھتے ہیں جو مولانا داؤد غزنوی کے اصل چہرہ کی جھلک دکھاتا ہے۔

"۱۹۴۵ء میں مولانا داؤد غزنوی بطور صدر کانگریس پنجاب، جھنگ تشریف لائے تو ان کا کھانا پینا، نماز اور عبادت سب لالہ کشوری لال وکیل کے ہاں تھی، اور میں نے انہیں اشارہ کیا کہ ہندو تو ہمارے ساتھ کھانا پینا حرام سمجھتے ہیں آپ ان کے ہاتھوں سے وضو اور ان کی چٹائی پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ اسلام میں اس کی کوئی مناہی نہیں ہے۔"

(مشکلات لا الہ، از: شیخ محمد سعید، مطبوعہ جھنگ ۱۹۸۱ء، ص: ۱۰۸)

اسی سال ہی سہارنپور کے ایک جلسے میں مولانا داؤد غزنوی نے یہ ارشاد کیا "جمعیت علمائے ہند ایک سال کے اندر ہندوستان کی آزادی حاصل کر سکتی ہے، بشرطیکہ ہندو سرمایہ دار اور ہندو پریس جمعیت کی امداد کریں۔"

(اخبار سعادت ۸ جون ۱۹۴۵ء، بحوالہ اقبال، قائداعظم اور پاکستان، از: راجہ رشید محمود، مطبوعہ لاہور ۸۳ ص ۱۵۱)

مندرجہ بالا ارشاد سے ظاہر ہے کہ داؤد غزنوی کے نزدیک ہندو سرمایہ دار اور ہندو پریس کے بغیر آزادی ہند ممکن نہ تھی، لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ کے ایک سپاہی قائداعظم محمد علی جناح نے ہندو کی مادی امداد تو کجا بلکہ اس کی بھرپور مخالفت کے باوجود انگریز بہادر کو برصغیر سے بھاگنے پر مجبور کر دیا، اور توحید کے یہ علمبردار ہندو کی امداد پر بھروسہ کرتے ہوئے استمداد غیر اللہ کا شکار ہو کر ایسے الجھے کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن رہا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
خود آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

۱۹۴۵ء ہی میں مولانا داؤد غزنوی نے منٹو پارک لاہور (حال اقبال پارک) میں نماز عید کے خطبہ میں حضرت قائداعظم پر سوقیانہ حملے شروع کر دیئے جس پر نماز کے اجتماع میں شیم شیم کے نعرے بلند ہونا شروع ہو گئے اور مسلم لیگی اور کانگریسی احراری مسلمانوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ ایک نوجوان نے اینٹ پکڑ کر مولانا کی طرف زور سے پھینکی لیکن کسی آدمی نے اینٹ کا وار روک لیا۔ اس گڑبڑ کے دوران کئی ہندو اور سکھ سڑک پر کھڑے نماز عید کا حشر دیکھتے رہے۔ خطبہ تو ہنگامے کی نظر ہو گیا لیکن مسلمان نوجوانوں نے قائداعظم کی توہین برداشت نہ کی۔

(مرغزار مجلہ، گورنمنٹ کالج شیخوپورہ، قائداعظم نمبر ۱۹۷۶ء، ص: ۱۹۵)

قارئین کرام! آپ نے داؤد غزنوی کی ہندو نوازی اور مسلم دشمنی کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائی ہیں، یقین جانئے کہ مزید واقعات درج کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ کوئی ایک واقعہ ہو تو درج کر دیں، اتنے زیادہ واقعات صفحہ قرطاس پر بکھیرنا کاردارد

والا معاملہ ہے۔

اک روز کا رونا ہو تو رو کر بھی صبر آئے ہر روز کے رونے کو دیدہ کہاں سے آئے

اگست ۱۹۴۶ء میں جب داؤد غزنوی نے دیکھا کہ پاکستان اب ایک روشن حقیقت بن چکا ہے اور اب اسے دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی تو انہوں نے جھٹ کانگریس سے استعفیٰ دیکر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ (سیدی و ابی، ص: ۲۴۷)

قارئین اگر مجھے معاف فرما دیں تو اس مقام پر ان کی موقع شناسی، مفاد پرستی اور ذہانت کی داد دینے کو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ ساری عمر تو ہندوؤں کی خدمت کی لیکن جب ان سے وفا کی بالکل امید نہ رہی تو مسلم لیگ میں آدھمکے۔ شاید مومن خاں مومن نے مولانا ہی کے لیے یہ شعر کہا تھا:

عمر کٹی ساری عشق بتاں میں مومن آخری وقت کیا خاک مسلماں ہوں گے

یہ ہے داؤد غزنوی کی تحریک پاکستان میں خدمت جسے آج ان کے پرستار بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ ان کو مسلم لیگ کا مرکزی لیڈر قائداعظم کا ساتھی اور نہ جانے کیا کیا ثابت کرنے کی سعی نامشکور کی جا رہی ہے، حالانکہ ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ مولانا لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہوئے تھے۔ مؤرخ پاکستان جناب ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے داؤد غزنوی کے اس کردار کی کیا شاندار قلعی کھولی ہے، ملاحظہ فرمائیے اور ڈاکٹر صاحب کو دعائیں دیجئے:

"جو قوم داؤد غزنوی کو بھی تحریک پاکستان کا مجاہد کہتی ہے اسے تاریخ لکھنے یا لکھوانے کا کوئی حق نہیں۔ ممکن ہے آپ کہیں کہ مرے ہوؤں کا ذکر اچھے انداز میں کرنا چاہیے تو جناب تاریخ تو مرے ہوؤں کے اعمال و کردار ہی کے ذکر سے بھری ہوتی ہے۔ اگر ہم نے مرے ہوؤں کے ذکر سے زبان بند کر لی تو تاریخ نویسی کیسے ہو گی۔ کاش آج حمید نظامی زندہ ہوتے تو آپ کو بتاتے کہ داؤد غزنوی کا رول کیا تھا۔

کسی بت کدے میں کروں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری

دیانت وامانت اور کریکٹر کے اعتبار سے داؤد غزنوی تو خضر حیات ٹوانہ کے بھی جوتے سیدھے کرنے کے اہل نہ تھے۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۳۰ دسمبر ۱۹۶۳ء، بحوالہ تاریخ وہابیہ، از: حکیم محمد رمضان علی، مطبوعہ: لائل پور ۱۹۷۶ء، ص: ۱۱۶، ۱۱۷)

امرتسری:

اہلحدیث حضرات ثناء اللہ امرتسری کو بھی تحریک پاکستان کا ہیرو گردانتے ہیں حالانکہ ان کا تحریک پاکستان سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر مولانا ثناء اللہ صاحب کی کتاب "اہلحدیث کا مذہب" مطبوعہ جمعیت اہلحدیث لاہور ۱۹۵۵ء ہے جس کے شروع میں خودنوشت حالات پر مشتمل چند صفحات میرے اس دعوے کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ ناشر نے یہ حالات مولانا کے اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء سے نقل کیے ہیں۔ مولانا کے ان حالات میں مسلم لیگ میں شمولیت یا حمایت کے بارے میں اشارۃً بھی ذکر نہیں ملتا۔ جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ۱۹۴۲ء تک تو مولانا ثناء اللہ امرتسری کا مسلم لیگ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ہاں البتہ ناشر کتاب "اہلحدیث کا مذہب" نے اپنی طرف سے جن حالات کا اضافہ کیا ہے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے مخالف تھے اور ان کی تمام تر ہمدردیاں جمعیت علمائے ہند کے ساتھ تھیں۔ ناشر نے "جذبہ جہاد اور سیاسی مسلک" کے زیر عنوان لکھا ہے کہ

"ہندوستان میں اسلامی نظام کے قیام اور اس سلسلہ میں جذبہ جہاد کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آپ کا دلی لگاؤ اور ہمدردی ہمیشہ مجاہدین اسمس وثمر قند سے رہی اور اندرون ہند میں اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ (بمعیت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹ مدظلہ العالی و مولانا محمد داؤد غزنوی مدظلہ العالی صدر مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان) جمعیت علمائے ہند کے بانیوں میں سے تھے۔ اور جمعیت علمائے

ہند کی مساعی قیام نظام شرعی و آزادی ہند میں نظریہ آخر تک اس سے وابستہ رہے۔''

(اہلحدیث کا مذہب، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء، ص:ن، س)

خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہے کہ ثناء اللہ امرتسری آزادی ہند کے سلسلہ میں آخر وقت تک جمیعت علمائے ہند کے نظریہ سے وابستہ رہے اور جمیعت علمائے ہند کے بارے میں کون نہیں جانتا، کہ وہ پاکستان دشمنی میں کانگریس سے بھی آگے تھی۔ لہٰذا ثناء اللہ کو تحریک پاکستان کا رہنما یا کارکن قرار دینا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

یہاں پر ایک لطیفہ بھی قارئین کرام کی نذر کرتا جاؤں کہ اہلحدیث حضرات نے ثناء اللہ امرتسری کی مذکورہ بالا کتاب کے ۱۹۷۰ء میں طبع ہونے والے ایڈیشن سے مولانا کے حالات زندگی حذف کر دیئے ہیں۔ شاید ۱۹۵۵ء میں پہلا ایڈیشن چھاپتے وقت انہیں اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ بعد میں ان کو تحریک پاکستان کا ہیرو ثابت کرنا ہے، اب چونکہ ان کو اس بات کی ضرورت محسوس ہو چکی ہے لہٰذا دوسرے ایڈیشن سے تمام حالات ہی حذف کر دیئے۔ شاید انہیں معلوم نہیں کہ ؎

کس کس سے چھپاؤ گے تحریک ریا کاری
محفوظ ہیں تحریریں اور مرقوم ہیں تقریریں

اسماعیل:

اہلحدیث گروہ کے ایک اور سرکردہ لیڈر مولوی اسماعیل آف گوجرانوالہ کٹر کانگریسی تھے۔ انہوں نے کانگریس کی حمایت میں اپنے عقیدۂ توحید کی ٹھیکیداری کی بری طرح دھجیاں بکھیریں۔ صاحب ''تاریخ وہابیہ'' لکھتے ہیں کہ

''یہ بھی کانگریس کی حمایت میں اور قیام پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھے کانگریسی ہندوؤں کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے اور یہ ان کے اجلاس و جلوس میں بڑی فراخدلی سے شریک ہوا کرتے تھے اور اپنے کانگریسی نظریات میں اتنے متشدد تھے کہ اس بارے انہوں نے اپنے اُستاد و بزرگ مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی

کو بھی چنداں اہمیت نہ دی۔ مولوی محمد ابراہیم نے متعدد مرتبہ برسر اجلاس مولوی اسماعیل صاحب کو سمجھاتے ہوئے کانگریس کی حمایت سے روکا اور اپنے ساتھ تبادلۂ خیالات کی دعوت دی۔ لیکن گوجرانوالہ کے کانگریسی مولوی صاحب نے اپنے استاد محترم کی ایک نہ سنی۔ مولوی اسماعیل صاحب کی کانگریسی ذہنیت کا اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کانگرس کے مشہور ہندو لیڈر سبھاش چندر کی موت پر کانگریس نے ماتمی جلسہ منعقد کیا اور اپنے مردہ لیڈر کے اعزاز میں کرسیٔ صدارت کو خالی رکھا۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق اس پر سبھاش چندر بوس کی تصویر رکھی۔ اس کے باوجود مولوی اسماعیل صاحب پورے اہتمام سے شریک اجلاس ہوئے۔ ہندوؤں کے غائبانہ مردہ لیڈر یا اس کی تصویر کی صدارت میں تقریر کی۔

جس میں سبھاش چندر بوس کی مدح وستائش کر کے اس کو خراج عقیدت پیش کیا اور کانگریس کی زبردست حمایت کی۔"

(تاریخ وہابیہ، از: مولانا محمد رمضان علی قادری، مطبوعہ فیصل آباد ۱۹۷۶ء، ص: ۱۱۷)

اہلحدیث حضرات کی "انجمن مفاد المسلمین" سیالکوٹ نے ایک پمفلٹ "حافظ محمد شریف صاحب کی قلابازیاں" شائع کیا ہے جس کے صفحہ ۶ پر مولوی اسماعیل صاحب کے بارے میں یوں لکھا ہوا ہے:

"مولوی اسماعیل صاحب وہ کانگریسی ہیں جو مردہ سبھاش چندر بوس کے فوٹو کی صدارت میں تقریر کر چکے ہیں۔ ایسے موحد ہیں جو بُت کی صدارت میں تقریر کریں۔"

(مخالفین پاکستان، از: مولانا ضیاء اللہ قادری سیالکوٹی، مطبوعہ: سیالکوٹ ۱۹۸۵ء، ص: ۲۳)

قارئین کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ مولوی اسماعیل کانگرس میں رہے، ہندو لیڈروں کی تعریف میں رطب اللسان رہے، تصویر کی صدارت میں تقریر کی، پاکستان کی مخالفت کی، مگر ان کے عقیدۂ توحید میں سرمو فرق نہ آیا۔ اہلحدیث حضرات کو یہ توحید مبارک ہو۔

"تاریخ اہلحدیث" از: مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۰ء، طبع دوم کے صفحہ ۴۴۰ پر ناشر نے نہایت چالاکی اور عیاری سے مولوی اسماعیل سلفی گوجرانوالہ کے حالات کا اضافہ از خود کیا ہے، جو ہر قاری محسوس نہیں کرسکتا۔ بلکہ عام قاری یہی سمجھتا ہے کہ مولوی کے حالات مولانا ابراہیم سیالکوٹی نے ہی لکھے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ

"(مولانا نے) ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔"

گویا اِس سے یہ تأثر دینا مقصود ہے کہ مولوی اسماعیل نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ مگر بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولوی اسماعیل کی ایک کتاب "حجیت حدیث" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء کے شروع میں مولوی کے سیاسی کردار کو گول کر دیا گیا ہے، جو جھوٹ بولنے سے بدرجہا بہتر ہے۔

مولوی اسماعیل کے ذکر کے ضمن میں مولوی محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا نام آپ نے پڑھا۔ موصوف مسلم لیگ کے حامی تھے۔ انہوں نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں دہلی میں نماز جمعہ میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ

"موجودہ انتخابات میں جو اہلحدیث مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دے گا۔ وہ اہل حدیث نہیں ہے۔"

(کاروان احرار، از: جانباز مرزا، جلد ششم، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء، ص: ۳۶۴)

یہ اعلان کرنا تھا کہ اطراف واکناف سے اہلحدیث حضرات اُن کے درپے آزار ہو گئے۔ اہل حدیث کانفرنس ضلع دربھنگہ کا ضلعی اجلاس عبدالظاہر سلفی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں فیصلہ کیا گیا بلکہ اعلان کیا گیا کہ تمام ہندوستان کے اہلحدیث اس فیصلے سے الگ ہیں۔ نیز لیگ کے نامزد امیدواروں کو من حیث الجماعت کامیاب بنانا سخت بددیانتی اور غلطی ہے۔"

(سہ روزہ "زمزم" لاہور، ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء، بحوالہ کاروان احرار، جلد ششم ص: ۳۶۴، ۳۶۵)

محمد ابراہیم میر کے ہم وطن محمد صادق سیالکوٹی کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچی ۔انہوں نے موصوف کو ایک خط لکھا جس میں ان سے یہ سوالات کیے:

"آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ موجودہ انتخابات میں اہلحدیث مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دے گا وہ اہلحدیث نہیں ہے، اس پر میں آپ سے حسب ذیل سوالات کے جوابات کا طالب ہوں۔

۱۔ اگر مرزائی مسلم لیگ کو ووٹ دیں تو کیا وہ اہلحدیث ہیں؟

۲۔ اگر قبرائی شیعہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں تو کیا وہ اہلحدیث ہیں؟

۳۔ آپ نے ایک دفعہ اپنی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا، عطاء اللہ شاہ بخاری امیر شریعت ہیں اور ان کے ہاتھ پر اکثر علماء اسلام نے بیعت کی ہے۔اس طرح آپ نے بھی بیعت کا اقرار کیا تھا۔

۴۔ آپ نے حسین احمد مدنیؒ کی معرفت مدینہ منورہ میں کس کس کو چٹھیاں لکھی تھیں، ان کا نفس مضمون کیا تھا؟

والسلام

آپ کا محمد صادق اہل حدیث سیالکوٹی۔"

(ہفت روزہ "افضل" سہارنپور، ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء، بحوالہ کاروان احرار، جلد: ششم، ص: ۳۶۵)

پیارے قارئین کرام! ذرا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے مسلم لیگ کے حق میں بیان و اعلان کا دوبارہ مطالعہ فرمائیں اور پھر محمد صادق سیالکوٹی کے سوالات کو دیکھیں، آپ پر خود بخود واضح ہو جائے گا کہ یہ سوالات کتنے بودے، بھونڈے اور لغو ہیں۔ ان سوالات پر تبصرہ کرنا چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ لہٰذا ہم مزید آگے بڑھتے ہیں۔

مولانا عبدالوہاب صدر آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس نے روزنامہ "ہلال نو" بمبئی مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں بیان دیتے ہوئے اہلحدیث حضرات پر واضح کیا کہ وہ میر ابراہیم سیالکوٹی کے اعلان پر ہرگز ہرگز مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیں۔

(کاروان احرار، جلد: ششم، ص: ۳۶۶)

دیکھ لیا آپ نے کہ ایک ہی اہلحدیث محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا تو تمام ہندوستان کے اہلحدیث بھڑوں کی طرح ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اہلحدیث گروہ میں لکھوی خاندان بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس خاندان نے بھی مسلم لیگ کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں فیروز پور کے حلقہ سے پنجاب اسمبلی کی سیٹ پر نواب افتخار حسین ممدوٹ (مسلم لیگ) کے مقابلہ پر محی الدین لکھوی نے مجلس احرار کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کے لیے کاغذات داخل کیے۔

(کاروان احرار، جلد ششم، ص: ۲۹۸)

مگر جب دیکھا کہ مسلم لیگ کو تائید ایزدی حاصل ہے اور ہر جگہ مسلم لیگ کی کامیابی کے ڈنکے بج رہے ہیں اور شکست ہمارا مقدر ہو چکی ہے تو اپنے کاغذات واپس لے لیے۔ اور پھر نواب صاحب کے مخالف امیدوار کی حمایت میں دورے شروع کر دیئے۔

کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ آج یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلم لیگ کے ساتھ تھے۔ ہم نے نواب افتخار حسین ممدوٹ کی حمایت کی تھی۔ شاید انہیں معلوم نہیں ہے کہ تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی اور بڑے بڑوں کا پردہ چاک کر کے رکھ دیتی ہے۔

جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے سابق ناظم مالیات حاجی محمد اسحاق حنیف امرتسری کٹر احراری تھے۔ انہوں نے امرتسر میں مسلم لیگ کے خلاف کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ کانگرسی ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کی راہ میں کانٹے بچھائے۔ مگر جب پاکستان بنا تو بھاگ کر یہاں آ گئے۔ اس پاکستان میں جس کی ڈٹ کر مخالفت کی تھی۔ حاجی محمد اسحاق حنیف کی احرار پرستی اور کانگرس نوازی کی جھلکیاں دیکھنے کے لیے خواجہ افتخار کی انعام یافتہ کتاب "جب امرتسر جل رہا تھا" کا مطالعہ ضروری ہے۔

حافظ ابراہیم دہلوی، اہلحدیث گروہ کے دہلی میں اہم ستون شمار کیے جاتے تھے۔ مگر یہ اہم ستون مجلس احرار دہلی کے سیکرٹری تھے۔ مسلم لیگ کو نقصان پہنچانا اس کا

وظیفۂ حیات تھا۔ دہلی میں مسلم لیگ کو ناکام بنانے کیلئے دن رات نت نئی اسکیمیں سوچتے رہتے تھے۔ ۱۹۳۲ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مسجد فتح پوری دہلی میں ہونا قرار پایا تو موصوف نے اسے ناکام بنانے کیلئے اپنی تمام مذموم کوششیں بروئے کار لائیں اور عین جلسہ کے روز بھی ہلڑ بازی کرتے رہے۔ (تراجم علمائے حدیث، ص: ۱۶۵)

سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے اہلحدیث حضرات یہ پروپیگنڈا کرتے رہے، کہ ہمارے مولوی اسماعیل غزنوی مسلم لیگ کے حامی تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے لیے بہت کام کیا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُن کی مسلم لیگ کے لیے خدمات کیا ہیں۔ انہوں نے کیا کارنامے سرانجام دیئے۔ اور تحریک پاکستان میں ان کا کردار کیا تھا؟ محض زبانی جمع خرچ کرنے سے تو کام نہیں چل سکتا۔ کل کو اگر کوئی یہ کہہ دے کہ ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی تحریک پاکستان کے قائدین میں سے تھے تو کیا کوئی صاحب عقل اسے تسلیم کرنے کو تیار ہوگا؟

میری نظر میں تو اسماعیل غزنوی کی دو خدمات ہیں، جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ پہلی یہ کہ انہوں نے شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود کے حکم پر ۱۹۲۷ء سلیمان بن سحمان نجدی کی کتاب "الھدیۃ السنیۃ" کا "تحفۂ وہابیہ" کے نام سے ترجمہ چھاپ کر جمہور اہلسنت و جماعت کے عقائد کو ٹھیس پہنچانے کی مذموم کوشش کی۔ دوسری یہ کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفہ اول حکیم نورالدین کے نواسے تھے۔ "کاروان احرار" کے مصنف جانباز مرزا نے اس حقیقت کو یوں آشکار کیا ہے:

"اسماعیل غزنوی، مولانا محمد داؤد غزنوی کا عم زاد بھائی تھا۔ اس کی والدہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفۂ اول حکیم نورالدین کی حقیقی بیٹی تھی۔ اس رشتہ سے اسماعیل غزنوی، حکیم نورالدین (مرزائی) کے نواسے ٹھہرے۔"

(کاروان احرار، جلد: دوم، لاہور ۱۹۷۷ء، ص: ۲۳۶)

قارئین کرام! جماعت اہلحدیث نے اپنی تمام تر کوششیں اور توانائیاں مسلم لیگ

اور تحریک پاکستان کی مخالفت میں صرف کیں۔ ان لوگوں نے کانگریس واحرار و دیگر مسلم لیگ دشمن تنظیموں کے ساتھ مل کر اپنی مسلم لیگ دشمنی کا پورا ثبوت دیا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان بن گیا تو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اس میں چلے آئے۔

شرم ان کو مگر نہیں آتی

علامہ مشرقی

عنایت اللہ خاں المعروف علامہ مشرقی ۲۵ اگست ۱۸۸۸ء کو امرتسر کے ایک کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد عطا محمد خاں امرتسر کے رئیس اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ علامہ مشرقی نے امرتسر، لاہور اور انگلستان میں تعلیم حاصل کی اور ۱۹۱۲ء میں اسلامیہ کالج پشاور کے پرنسپل مقرر ہو گئے اور ریٹائرڈ ہونے تک محکمہ تعلیم سے ہی وابستہ رہے۔

۱۹۳۰ء میں فوجی انداز کی ''خاکسار تحریک'' کے نام سے ایک تحریک صوبہ سرحد میں جاری کی۔ یہ تحریک ملکی اور قومی نقطۂ نگاہ سے بہت اہم اور بڑی مفید تحریک تھی۔ اس کا مقصد وحید مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کو واپس لانا تھا۔ چنانچہ یہ تحریک بہت جلد ہمارے ملک میں پھیل گئی۔ بڑے بڑے لوگ مثلاً نواب بہادر یار جنگ بھی اس میں شریک ہو گئے تا کہ برصغیر کو اسلام کا قلعہ بنا کر ایک بار پھر توحید و رسالت کا ڈنکا بجائیں۔

(پنجاب کی سیاسی تحریکیں، از: عبداللہ ملک، مطبوعہ: لاہور ۱۹۷۱ء، ص: ۳۲۳ تا ۳۲۶۔ تگ و تاز، از: ایم اسلم، لاہور ۱۹۷۸ء، ص: ۱۳۶۔ حیات بہادر یار جنگ، از: غلام محمد، مطبوعہ: کراچی ۱۹۷۴ء ص: ۷۵)

اس تحریک کی غیر معمولی مقبولیت سے مغرور ہو کر علامہ مشرقی نے سواد اعظم سے ہٹ کر اپنے مذہبی اور سیاسی نظریات کا پرچار شروع کر دیا۔ مسلم لیگ اور قائداعظم کی مخالفت کو اپنا وظیفۂ حیات بنا لیا۔ حالانکہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو جب خاکساروں پر حکومت پنجاب نے پہلا وار کیا اور حکومت ہند نے علامہ مشرقی کو نظر بند کر کے اس تحریک کو خلاف قانون قرار دے دیا تو وہ مسلم لیگ ہی تھی جس نے خاکساروں کی

حمایت، مشرقی کی رہائی اور حکومت کے طرز عمل پر سخت وشدید احتجاج کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاکساروں پر سے پابندیاں اٹھ گئیں اور علامہ مشرقی رہا کر دیئے گئے اس مقام پر یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ جب لاہور میں خاکساروں پر گولیاں چل رہی تھیں تو ان کا یہ لیڈر ڈسٹرکٹ جیل دہلی میں حکومت سے انڈے مرغی اور حقہ کے لیے جھگڑا کر رہا تھا۔

(قائداعظم اوران کا عہد، از: رئیس احمد جعفری، مطبوعہ: لاہور ۱۹۶۶ء، ص: ۳۸۷ تا ۳۸۸)

جوں جوں وقت گزرتا گیا علامہ مشرقی کی مسلم لیگ دشمنی بڑھتی گئی۔ بات صرف اتنی تھی کہ مسلم لیگ کی روز افزوں مقبولیت خاکساروں کے امیر کو ایک نظر نہ بھاتی تھی۔ جب اسلامیان برصغیر نے قائداعظم کو اپنا واحد راہنما تسلیم کرلیا تو علامہ مشرقی کے سینے پر سانپ لوٹنے لگا، جس کے نتیجے میں رفیق صابر مزنگوی خاکساری کارکن نے ۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء کو بمبئی میں حضرت قائداعظم پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ قائد اعظم معمولی زخمی ہوئے اور حملہ آور گرفتار ہو کر داخل زنداں ہوا۔

(اسلام اور قائداعظم، از: محمد حنیف شاہد، مطبوعہ: لاہور ۱۹۷۶ء، ص: ۱۴۶۔ قائداعظم پر قاتلانہ حملہ، از: محمد حنیف شاہد، مطبوعہ: لاہور ۱۹۷۶ء، ص: ۱۴ تا ۱۶۔ "مرغزار" مجلہ گورنمنٹ کالج شیخوپورہ، قائداعظم نمبر، ص: ۲۰۱)

علامہ مشرقی کے اس مسلم دشمن طرز عمل سے باضمیر اور باغیرت لوگ خاکسار تحریک سے الگ ہونا شروع ہو گئے۔ نواب بہادر یار جنگ نے مشرقی کو سمجھایا کہ مسلم لیگ اور قائداعظم کی مخالفت نہ کی جائے۔ بلکہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ خاکسار مسلم لیگ کے پرچم تلے کام کریں۔ مگر افسوس کہ مشرقی نے محض ضد اور اپنی بڑائی کے خیال سے قائداعظم اور مسلم لیگ کی مخالفت جاری رکھی۔ نواب صاحب نے جب انتہائی سمجھانے بجھانے کے باوجود علامہ مشرقی کو "قطب از جانمی جنبد" کا مصداق پایا تو اس جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ اور پھر یہ جماعت روبہ تنزل ہوتی گئی۔

(حیات بہادر یار جنگ، ص: ۷۹، ۸۰)

اسی طرح مسٹر محبوب الٰہی، مالک بلوچستان بوٹ ہاؤس، شوز مارکیٹ آگرہ نے خاکسار تحریک سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے جو بیان دیا وہ ۱۱ نومبر ۱۹۴۵ء کے اخبارات میں شائع ہوا۔ ملاحظہ فرمایئے اور علامہ مشرقی کی اسلام دشمنی اور ہندو دوستی کا ماتم کیجیے:

''ابتدا میں جس نے کہا تھا۔ کہ میری جماعت کو سیاست سے تعلق نہ ہوگا،
آج گاندھی جی کی گود میں بیٹھا قائداعظم پر کیچڑ اچھال رہا ہے۔ قول و فعل میں زمین و
آسمان کا یہ فرق علامہ کو زیب نہیں دیتا۔ میں نے خاکسار جماعت کی سرگرم خدمت کی
ہے، لیکن علامہ کی نئی روش مسلمانوں کے لیے اور مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم
لیگ کے لیے نقصان رساں ہے۔ اس لیے مجھے اس تحریک سے بیزار ہونا پڑا۔ آج
میں خاکسار جماعت سے اپنی علیحدگی کا اعلان کرتا ہوں اور اپنے دوسرے خاکسار
بھائیوں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی غلط روش پر غور کریں اور اس ضرر رساں
تحریک سے علیحدہ ہو جائیں۔ (قائداعظم اور ان کا عہد، ص: ۳۸۹)

علامہ مشرقی اپنے انتخابی دورہ کے سلسلہ میں بمبئی بھی تشریف لے گئے اور ۹
دسمبر ۱۹۴۵ء کو وائی۔ ایم سی کے احاطہ میں ایک مختصر مجمع کے سامنے تقریر شروع کی اور قائد
اعظم کے خلاف نہایت ناروا اور ناشائستہ الفاظ میں اظہار رائے شروع کر دیا۔ حاضرین
اسے برداشت نہ کر سکے اور ہنگامہ شروع ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی خاکسار زخمی ہو
گئے اور کئی شرکائے جلسہ بھی مجروح ہوئے۔ یہ آگ بڑھی اور شہر میں خاکساروں کے
دفاتر پر مشتعل ہجوم نے پتھراؤ کیا۔ (قائداعظم اور ان کا عہد، ص: ۳۸۸ تا ۳۸۹)

اس واقعہ کے بعد خاکسار تحریک بمبئی کے ''نائب حاکم اعلیٰ'' خالد اختر افغانی
نے اس تحریک کو یوں بے نقاب کیا:

''علامہ مشرقی کو راقم الحروف نے نہ صرف یہ کہ دیکھا ہے بلکہ اس کی تحریک
خاکسار کے ایک معزز عہدہ پر رہ چکا ہے۔ اہالیان صوبہ بمبئی جانتے ہیں کہ میں ''نائب
حاکم اعلیٰ'' تھا، لیکن جب مسلسل چار سال (فروری ۱۹۴۲ء تا دسمبر ۱۹۴۵ء) اس تحریک
کی خدمت کے بعد یہ پتہ چلا کہ علامہ مشرقی صرف ذاتی اغراض کے بندے ہیں تو
اس تحریک سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گیا۔'' (قائداعظم پر قاتلانہ حملہ، ص: ۹)

علامہ مشرقی نے گاندھی جی کی لنگوٹی تھام کر پاکستان اور قائداعظم کی جو
مخالفت کی وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ علامہ صاحب نے مخالفت کا کوئی موقع بھی
ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جنوری ۱۹۴۶ء میں قائداعظم لاہور تشریف لائے تو لوگوں نے

اپنے محبوب قائد کا والہانہ استقبال کیا۔ ۱۰ جنوری کی دوپہر کو قائداعظم نے اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب فرمایا۔ تقریباً ایک لاکھ کا مجمع تھا اور ساری گراؤنڈ میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ جب قائداعظم تشریف لائے تو کالج کے پرنسپل عمر حیات ملک نے بڑھ کر استقبال کیا اور انہیں ہار پہنایا۔ اس کے بعد قائداعظم، پرنسپل اور لیگی زعماء کے ساتھ جلسہ گاہ میں حاضرین کے درمیان سے گزرتے ہوئے سٹیج کی جانب روانہ ہوئے۔ سٹیج سے قائداعظم زندہ باد کے نعرہ لگ رہے تھے۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد اقبال کی مشہور نظم پڑھی گئی:

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی
نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی
دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

نظم پڑھنے والے نے بلند آواز میں خوش الحانی سے جس طرح نظم پڑھی اور بار بار قائداعظم کی طرف اشارہ کیا، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ علامہ اقبال نے یہ نظم قائداعظم ہی کو مخاطب کر کے لکھی تھی اور "رہبر فرزانہ" اور "مرد فقیر" وہی تھے۔ نظم کے بعد راجہ غضنفر علی خاں نے استقبالیہ کلمات ادا کیے۔ پھر حضرت قائداعظم نے اردو زبان میں تقریر کی اور فرمایا:

"برادرانِ ملت! آپ لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا ہوں، آپ لوگ بڑی تعداد میں مجھ سے ملنے کیلئے آئے لیکن کچھ ڈسپلن بھی ہونا چاہئے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ خان بہادروں اور سروں کی جماعت ہے، آپ دیکھیں کہ ان لاکھوں آدمیوں میں کتنے سر اور خان بہادر ہیں۔ انتخابات میں کامیابی کے لیے آپ مسلم لیگ کو چندہ دیں۔

"Give me Silver Bullets, I Will Give You Pakistan."

گورنر گلانسی پاگل ہے۔۔۔۔۔خضر گلانسی Axis کی پرواہ نہ کریں۔

قائداعظم یہاں تک تقریر کرنے پائے تھے کہ علامہ مشرقی نے جلسہ گاہ سے ملحقہ مسجد مبارک میں قبل از وقت ہی ظہر کی اذان دینا شروع کر دی، جس کے باعث جلسہ گاہ سے ''اذان، اذان'' کی آوازیں بلند ہوئیں اور قائداعظم خاموش ہو گئے۔ اذان کے بعد تقریر شروع ہوئی تو مسجد کی جانب سے خاکساروں کا ایک جیش زیر قیادت علامہ مشرقی سٹیج کی جانب روانہ ہوا۔ سٹیج پر پہنچ کر علامہ مشرقی نے قائداعظم سے جلسہ کو خطاب کرنے کی اجازت چاہی۔ قائداعظم نے فرمایا کہ ''آپ مسلم لیگ میں ہیں؟ یہ جلسہ پنجاب مسلم لیگ کا ہے اور اس کے لیے پنجاب مسلم لیگ کے صدر کی اجازت ضروری ہے۔ میں اجازت نہیں دے سکتا۔'' لیکن علامہ مشرقی تقریر کرنے پر مصر رہے۔ قائداعظم نے اپنی تقریر ختم کر دی اور جلسہ گاہ سے واپس چلے گئے۔ ان کی روانگی تک تمام سامعین اپنی اپنی جگہ بیٹھ رہے۔ اس کے بعد علامہ مشرقی نے بلا اجازت تقریر کرنے کی کوشش کی، جس پر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے چند نوجوانوں اور سٹیج پر موجود خاکساروں میں جھڑپ ہو گئی۔

(''مرغزار'' قائداعظم نمبر ۱۹۷۶ء، ص: ۱۹۸ تا ۲۰۰۔ تحریک پاکستان، از: شیخ محمد رفیق مطبوعہ: لاہور ۱۹۷۹ء، ص: ۲۰۸)

مجمع نے آواز بلند کی اور نہایت غضب ناک ہو کر کہا کہ وہ اس وقت تک کوئی بات نہ سنیں گے جب تک علامہ مشرقی مسلم لیگ میں نہ آ جائیں۔ پھر یہ غضب ناک آوازیں ایک ہولناک ہلہ میں تبدیل ہو گئیں اور لوگ سٹیج پر چڑھ گئے۔ اور بے پناہ وزن کے باعث سٹیج ٹوٹ گیا۔

عوام نے خاکساروں سے ان کا جھنڈا چھین لیا اور ان کے سامنے پھاڑ کر چیتھڑے ہوا میں اڑا دیئے اور خاکساروں کی پٹائی شروع کر دی۔ مسلم لیگ اور قائداعظم کی محبت سے سرشار مسلمان اس تندی کے ساتھ جھپٹے کہ شامیانہ بھی گر پڑا۔ علامہ مشرقی کو جو پٹتے پٹتے گرے ہوئے شامیانہ میں دوبارہ گھسنے کی کوشش کر رہے تھے، پھر پکڑ کر باہر نکالا اور پورے مجمع کے سامنے انہیں کھڑا کیا گیا اور انہیں حکم دیا کہ مسلم لیگ کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر بلند کرو۔ علامہ مشرقی نے گڑگڑاتے ہوئے مسلم لیگ کا جھنڈا

ادب سے ہاتھوں میں لے کر بلند کیا اور کافی دیر تک بلند کیے رہے۔

مسلمان عوام اس قدر مشتعل تھے کہ ان کے نزدیک علامہ مشرقی کی آج کی جسارت نا قابل معافی تھی۔ لہٰذا انہیں خوب پیٹا۔ جوں توں کر کے علامہ مشرقی بری طرح مار کھاتے ہوئے کالج کے ہال کی طرف پناہ لینے کے خیال سے کھسکتے چلے گئے اور مار پڑتی گی اور یہاں پہنچ کر پٹائی کی اور بھی انتہا ہوگئی۔ یہاں تک کہ علامہ مشرقی بے ہوش ہو گئے اور بے ہوشی کے عالم میں پڑے رہے۔ ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار مار کر ہوش میں لا لا کر پٹیا گیا اور اس قدر شدت سے بے ہوش ہوئے کہ پانی کے چھینٹوں سے بھی ہوش میں نہ آئے۔ یہاں تک کہ پولیس نے آ کر بمشکل تمام ہال میں گھس کر کالج کے پرنسپل کی اجازت سے علامہ مشرقی کو اٹھایا اور کسی محفوظ مقام کی طرف لے گئی۔ (قائداعظم اور ان کا عہد، ص: ۳۹۰ تا ۳۹۲)

کانگرس اور یونینسٹ پارٹی نے چونکہ علامہ مشرقی کو تھپکی لگا دی تھی جس کی بنا پر وہ بعد میں بھی قائد اور مسلم کی مخالفت سے باز نہ آئے۔ اشتعال انگیزی کرتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھاٹی دروازہ کے باہر مسلمانوں نے علامہ مشرقی کو پھر گھیر لیا اور ان کے کپڑے وغیرہ پھاڑ دیئے۔ اس جگہ بھی علامہ صاحب سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔

(قائداعظم اور ان کا عہد، ص: ۳۹۳)

تحریک پاکستان کے نامور مؤرخ جناب رئیس احمد جعفری صاحب نے پنجاب کے لیگی اکابرینکو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے علامہ مشرقی سمیت سوسرے مخالفین پاکستان کا یوں ذکر کیا ہے:

"ایک طرف خضر حیات خاں کا استبداد کار فرما تھا۔ دوسری طرف عطاء اللہ شاہ بخاری کا جوہر خطابت، مظہر علی اظہر کا جوشِ کار اور علامہ مشرقی کا بیلچہ مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف مصروف جہاد تھا۔" (کاروان گم گشتہ، از: احمد جعفری، مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۱ء، ص: ۴۷)

علامہ مشرقی کی وفات ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء کو میو ہسپتال لاہور میں ہوئی اور ۲۹ اگست کو سپرد خاک کیے گئے۔ (ہفت روزہ "الاصلاح" لاہور مورخہ ۲۶ جون ۳ جولائی ۱۹۸۱ء، ص: ۱۸)

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن اشاعت
۱	جاوید نامہ	علامہ اقبال	لاہور:۱۹۷۰ء
۲	ارمغانِ حجاز	علامہ اقبال	لاہور:۱۹۷۰ء
۳	تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء	چوہدری حبیب احمد	لاہور:۱۹۶۶
۴	اقبال، قائداعظم اور پاکستان	راجا رشید محمود	لاہور:۱۹۸۳ء
۵	عظیم قائد عظیم تحریک	ولی مظہر ایڈووکیٹ	ملتان:۱۹۸۳ء
۶	کاروانِ بم گشتہ	رئیس احمد جعفری	کراچی:۱۹۷۱ء
۷	پاکستان ناگزیر تھا	سید حسن ریاض	کراچی:۱۹۸۲ء
۸	بیس بڑے مسلمان	عبدالرشید ارشد	لاہور:۱۹۷۵ء
۹	مسلمان اور کانگریس	ابوالکلام آزاد	لاہور آزاد بکڈپو
۱۰	اقبال کے آخری دو سال	ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی	لاہور:۱۹۷۸ء
۱۱	مشاہیر جنگ آزادی	مفتی انتظام اللہ شہابی	کراچی:۱۹۵۷ء
۱۲	تاریخ نظریہ پاکستان	پیام شاہجہانپوری	لاہور:۱۹۷۰ء
۱۳	آزادئ ہند (ابوالکلام آزاد)	مترجم رئیس احمد جعفری	لاہور:۱۹۷۳ء
۱۴	نوادر ابوالکلام	عبدالغفار شکیل	علی گڑھ:۱۹۶۳
۱۵	مولانا آزاد اور ان کے ناقد	ایم اے شاہد	کراچی:۱۹۸۱ء
۱۶	عظیم قائد	نوابزادہ محمود علی خاں	لاہور:۱۹۸۲ء
۱۷	آزادی کی کہانی میری زبانی	سردار عبدالرب نشتر	کراچی:۱۹۷۹ء
۱۸	قائداعظم اور ان کا عہد	رئیس احمد جعفری	لاہور:۱۹۶۶ء
۱۹	ظفر علی خاں اور ان کا عہد	عنایت اللہ نسیم سوہدروی	لاہور:۱۹۸۲ء
۲۰	چمنستان	مولانا ظفر علی خاں	لاہور:۱۹۴۴ء

۲۱	ابوالاعلیٰ مودودی	ابوالآفاق	لاہور:۱۹۷۱ء
۲۲	ہمارے سیاستدان	محمد موسیٰ بھٹو	حیدرآباد:۱۹۷۹ء
۲۳	تحریک جماعت اسلامی	ڈاکٹر اسرار احمد	لاہور:۱۹۶۹ء
۲۴	لیڈران کرام	ریاض بٹالوی	لاہور:۱۹۷۰ء
۲۵	تحریک آزادی ہند اور مسلمان، حصہ دوم	مولانا مودودی	لاہور:۱۹۷۳ء
۲۶	اسلام اور پاکستان	ڈاکٹر اسرار احمد	لاہور:۱۹۸۳ء
۲۷	سیاسی جماعتیں طلباء کی عدالت میں	اشرف رضا	لاہور:۱۹۷۰ء
۲۸	مودودی اور جماعت اسلامی	ممتاز علی عاصی	لاہور:۱۹۶۴ء
۲۹	مکاتیب نواب بہادر یار جنگ	نواب بہادر یار جنگ	کراچی:۱۹۶۷ء
۳۰	رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء	پنجاب ہائیکورٹ لاہور	لاہور:۱۹۵۳ء
۳۱	علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی	چوہدری حبیب احمد	فیصل آباد:۱۹۸۳ء
۳۲	سرگزشت پاکستان اور تحریک پاکستان	چوہدری سردار محمد خاں عزیز	لاہور:۱۹۷۴ء
۳۳	دیوبندی مذہب	مولانا غلام مہر علی	چشتیاں:۱۹۵۶ء
۳۴	کاروان احرار جلد: اول	جانباز مرزا	لاہور:۱۹۷۵ء
۳۵	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	پروفیسر محمد ایوب قادری	کراچی:۱۹۷۶ء
۳۶	جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین، حصہ سوم	عزیز الرحمٰن لدھیانوی	دہلی:۱۹۷۵ء
۳۷	آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان	ڈاکٹر محمد شجاع ناموس	لاہور:۱۹۴۶ء
۳۸	بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغ محفل	شورش کاشمیری	لاہور:۱۹۷۲ء
۳۹	حیاتِ امیر شریعت	جانباز مرزا	لاہور:۱۹۷۶ء
۴۰	روئیداد جشن دیوبند	جانباز مرزا	لاہور:۱۹۸۰ء
۴۱	نقش حیات	مولانا حسین احمد مدنی	لاہور:۱۹۷۵ء
۴۲	متحدہ قومیت اور اسلام	مولانا حسین احمد مدنی	لاہور:۱۹۷۵ء

۴۳	کاروان احرار، جلد: سوم	جانباز مرزا	لاہور: ۱۹۷۸ء
۴۴	قائداعظم میری نظر میں	مرزا ابوالحسن اصفہانی	لاہور: ۱۹۷۶ء
۴۵	مشکلات لاالٰہ	شیخ محمد سعید ایڈووکیٹ	جھنگ: ۱۹۸۱ء
۴۶	بہاولپور کی سیاسی تاریخ	شہاب دہلوی	بہاولپور: ۱۹۷۷ء
۴۷	اقبال کے حضور	سید نذیر نیازی	کراچی: ۱۹۷۱ء
۴۸	پنجاب کی سیاسی تحریکیں	عبداللہ ملک	لاہور: ۱۹۷۱ء
۴۹	تگ وتاز	ایم اسلم	لاہور: ۱۹۷۸ء
۵۰	حیات بہادر یار جنگ	غلام محمد	کراچی: ۱۹۷۴ء
۵۱	اسلام اور قائداعظم	محمد حنیف شاہد	لاہور: ۱۹۷۶ء
۵۲	قائداعظم پر قاتلانہ حملہ	محمد حنیف شاہد	لاہور: ۱۹۷۶ء
۵۳	تحریک پاکستان	شیخ محمد رفیق	لاہور: ۱۹۷۹ء
۵۴	سید عطاء اللہ بخاری	شورش کاشمیری	لاہور: ۱۹۷۸ء
۵۵	آہنگ بازگشت	مولوی محمد سعید	لاہور: ۱۹۷۹ء
۵۶	کاروان احرار جلد ششم	جانباز مرزا	لاہور: ۱۹۸۲ء
۵۷	اقبال کے دینی وسیاسی افکار	سید نور محمد قادری	گجرات: ۱۹۸۳ء
۵۸	جب امرتسر جل رہا تھا	خواجہ افتخار	لاہور: ۱۹۸۲ء
۵۹	سید عطاء اللہ شاہ بخاری	زاہد منیر عامر	فیصل آباد: ۱۹۸۳ء
۶۰	ماہنامہ "تجلی" دیوبند	دیوبند اور دارالعلوم دیوبند نمبر	مارچ اپریل ۱۹۸۰ء
۶۱	ہفت روزہ استقلال لاہور	ظہور عالم شہید	۱۳ مارچ ۱۹۸۳ء
۶۲	ہفت روزہ قندیل لاہور	......	۱۰ مئی: ۱۹۷۹ء
۶۳	روزنامہ نوائے وقت، مشرق، جنگ	......	مختلف شمارے
۶۴	روزنامہ جسارت کراچی	......	......
۶۵	مودودی نمبر	......	......

۶۶	مجلّہ ''مرغزار''	گورنمنٹ کالج شیخوپورہ	قائد اعظم نمبر ۱۹۷۶ء
۶۷	ہفت روزہ ''الاصلاح'' لاہور	......	۲۶ جون ۱۹۸۱ء
۶۸	ماہنامہ ''فیضان'' فیصل آباد	......	جون جولائی ۱۹۷۸ء
۶۹	ارمغان آزاد، جلد. اول	ابوسلمان شاہجہانپوری	کراچی: ۱۹۷۸ء
۷۰	جمعیت علمائے ہند، جلد: اول	پروین روزینہ	اسلام آباد: ۱۹۸۰ء
۷۱	اقبال اور محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)	پروفیسر محمد طاہر فاروقی	لاہور: ۱۹۷۷ء
۷۲	اقبال کا آخری معرکہ	سید نور محمد قادری	لاہور: ۱۹۷۹ء
۷۳	اقبال کا سیاسی کارنامہ	محمد احمد خاں	لاہور: ۱۹۷۷ء
۷۴	اُحیات بعد الممات	مولوی فضل حسین بہاری	کراچی: ۱۹۵۹ء
۷۵	تاریخ اہلحدیث	مولوی میر ابراہیم سیالکوٹی	لاہور: ۱۹۷۰ء
۷۶	اہلحدیث کا مذہب	مولوی ثناء اللہ امرتسری	لاہور: ۱۹۵۵ء
۷۷	ایضاً	......	لاہور: ۱۹۷۰ء
۷۸	حیات سید احمد شہید	محمد جعفر تھانیسری	کراچی: ۱۹۶۸ء
۷۹	سیرت ثنائی	مولوی عبد المجید خادم سوہدروی	گوجرانوالہ: ۱۹۵۲ء
۸۰	تراجم علمائے اہلحدیث	مولوی ابو یحییٰ نوشہروی	لائلپور: ۱۳۹۱ھ
۸۱	ترجمان وہابیہ	نواب صدیق حسن بھوپالوی	لاہور: ۱۳۱۲ھ
۸۲	مشاہدات کابل و یاغستان	مولوی محمد علی قصوری	کراچی انجمن ترقی اردو
۸۳	سیدی والی	پروفیسر ابوبکر غزنوی	لاہور: ۱۹۷۴ء
۸۴	تاریخ وہابیہ	حکیم محمد رمضان علی	لائلپور: ۱۹۷۶ء
۸۵	مخالفین پاکستان	مولانا ضیاء اللہ قادری	سیالکوٹ: ۱۹۸۵ء
۸۶	کاروان احرار، جلد: دوم	جانباز مرزا	لاہور: ۱۹۷۷ء
۸۷	حجیت حدیث	مولوی اسماعیل سلفی	لاہور: ۱۹۸۱ء
۸۸	بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد	رئیس احمد جعفری	لاہور: ۱۹۶۹ء